بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ ایک متبحر عالم، ایک صاحب معرفت صوفی ایک صاحب دل شاعر اور مصنف، شیخ طریقت، پیرومرشد، بے حد ذہین، عظیم محقق شخص تھے۔

یہ صوبہ بہار کے مشرقی ضلع پورنیہ (اب پورنیہ ڈویزن جو ۴ ضلعوں میں بٹ گیا ہے:- کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج، ارریہ) کے اعظم نگر بلاک سے ۲ میل اُتر موضع کنھریا میں پیدا ہوئے (اب یہ علاقہ کٹیہار ضلع کے بارسوئی سب ڈویزن میں واقع ہے۔)

پیدائش کی تاریخ کا صحیح پتہ نہیں۔ لیکن ان کا انتقال ۱۳۳۳ھ میں ہوا جو مطابق ۱۹۱۵ء ہے۔ واقف کاروں نے مجھے بتایا کہ حضرت لطیفیؒ کا انتقال ۹۵ سال کی عمر میں ہوا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی پیدائش ۱۸۲۰ء کو ہوئی تھی۔ ان کے والد حسین علی کا انتقال حضرت لطیفیؒ کے بچپن میں ہو چکا تھا۔

تعلیم کا پس منظر:- حضرت لطیفیؒ کم عمری ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ ظاہر ہے یتیم بچہ کی تعلیم و تربیت کے لئے کوئی مخلص، ہمدرد سرپرست نہ ہو تو اس کا برا حال ہوتا ہے۔ مولانا لطیفیؒ اپنے والد کے اکلوتے لڑکے تھے اور خاصی جائداد کے مالک تھے اس لئے خاندان کے لوگ ان سے حسد کرتے تھے، چاہتے نہیں تھے کہ یہ بچہ کچھ بنے۔

افسوسناک بات تو یہ کہ ان کی سرپرستی تو کیا کرتے ان کو دبانے اور کچلنے کی کوشش کرتے۔ اتنی جائداد کے مالک تھے کہ چین سے بیٹھ کر کھا پی سکتے تھے لیکن بچے تھے برادری والوں نے ڈرا دھمکا کر ان کو مجبور کیا کہ وہ گائے بیل چرائے تاکہ یہ جاہل رہے تو ہم لوگ جائداد ہڑپ کرلیں۔ حد تو یہ ہے کہ ایک روز کی غلطی سے چچا یا چچازاد بھائی نے ان کو ایک تھپڑ رسید کر دیا اس کا ان پر بہت اثر ہوا۔ یہ ذہین تو تھے ہی اور پڑھنے لکھنے کا ان کو بہت شوق تھا۔ لیکن خاندان والوں کے جبر کی وجہ سے ان کو پڑھنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ یہ تھپڑ ان کے لئے بہانہ بن گیا۔ اور

انہوں نے پڑھنے کا پکا ارادہ کرلیا اور وہ گھر سے بھاگ کر رسول پور پہنچ گئے۔ رسول پور کنھریا سے اتر ایک گاؤں ہے قریب ۴ میل کے فاصلے پر یہاں نواب لوگ تھے۔ یہاں نواب زادوں کی تعلیم کے لئے اچھے قابل استاذ رکھے جاتے تھے۔ رسول پور میں مولانا کی ابتدائی تعلیم ہوئی۔ ان کی ابتدائی تعلیم کے متعلق ان کے شاگرد (شروع سے اخیر تک) اور خلیفہ مولانا محمد عابد صاحب نے حضرت لطیفیؔ کے شعری مجموعہ دیوان لطیفیؔ کے اخیر میں یہ لکھا ہے:

حضرت شاہ لطیفیؔ در اوائل	حضرت شاہ لطیفیؔ نے شروع میں کچھ
بریاست موضع رسول پور	دنوں تک موضع رسول پور کے راج
چندے تعلیم یافتہ بودند بعدہ	دارہ میں تعلیم پائی تھی اس کے بعد کچھ
زمانے در شہر پٹنہ وبعدہ در	دنوں تک شہر پٹنہ میں اس کے بعد دہلی
دھلی تکمیل تعلیم فرمودند	میں تعلیم کی تکمیل کی۔

حضرت لطیفیؔ کی ابتدائی تعلیم کے متعلق تو معلوم ہے لیکن پٹنہ میں کس مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اس کی خبر نہیں۔ میری دادی جان، جن کا میکہ بہار شریف سے قریب ڈمرانواں میں تھا، شادی پٹنہ سے ہی ہوئی تھی۔ اور پھر جب دادا جان سہسرام مدرسہ کبیریہ میں مدرس ہوئے تو دادی جان بھی سہسرام میں ساتھ رہیں اور وہیں سے کنھریا آئیں۔ ان کا انتقال ۱۹۴۴ء میں ہوا۔ میری عمر اس وقت ۲۴ برس کی تھی۔

دادی جان نے مجھے بتایا کہ حضرت لطیفیؔ پٹنہ کے لودی کٹرہ محلہ میں ایک بیوہ زمیندار خاتون تھیں چھوٹی شیخائن کے نام سے مشہور تھیں ان ہی کے یہاں حضرت لطیفیؔ نے رہ کر تعلیم حاصل کی اور پھر جب حضرت لطیفیؔ دہلی سے تعلیم حاصل کر کے پٹنہ لوٹے تو چھوٹی شیخائن نے ان کی شادی کرائی۔

حضرت لطیفیؔ کے دورۂ حدیث کے استاذ مولانا نذیر حسین محدث دہلوی تھے۔ یہ بات میرے والد حضرت مخدوم شرف الہدیٰ نے اور میرے پھوپھا مولوی عبدالمولیٰ جو کنھریا کے تھے

اور دادا جان کے بھتیجے اور داماد اور شاگرد بھی تھے یہ میرے والد سے کافی بڑے تھے اور دادا جان کے بڑے داماد بھی انہوں نے بھی یہی بتائی اس کا ذکر آگے آئے گا۔

مولانا نذیر حسین محدث دہلوی بڑے مشہور عالم تھے دور دور سے لوگ ان سے حدیث پڑھنے آتے تھے عام اہل حدیث کے مقابلہ میں ان میں کچھ خاص باتیں تھیں جو ان کو عام اہل حدیث سے الگ کرتی تھیں (۱) وہ وحدۃ الوجود کے فلسفہ کے مبلغ تھے (۲) وہ فقہ حنفی کی اونچی کتاب ھدایہ کا درس دیتے تھے (۳) وہ حنفیوں کو حنفی مسلک کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

اسی کا اثر تھا کہ حضرت لطیفیؒ وحدۃ الوجود کے نہ صرف قائل بلکہ زوردار حامی تھے۔ انہوں نے ایک رسالہ (چھوٹی کتاب) دس صفحوں کا جس میں دلیلیں بھی دس ہی ہیں لکھا جس کا نام "تلک عشرۃ کاملہ" رکھا یہ فارسی میں ہے۔

مولانا نذیر حسین کی ایک اور بات ہے جو ان کے بے تعصب ہونے کی دلیل ہے ساتھ ہی حنفیوں سے ان کا شدید تعلق بھی ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ جمعہ کی نماز برابر جامع مسجد دہلی میں پڑھتے تھے حنفی امام کے پیچھے اور عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نمازیں عیدگاہ میں پڑھتے تھے حنفی امام کے پیچھے۔ باقی اہل حدیث اپنے اماموں کے پیچھے پڑھتے ان کے ہم مسلک لوگوں نے کہا کہ آپ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز اور عام عیدگاہ میں عید بقرعید کی نماز حنفیوں کے پیچھے کیوں پڑھتے ہیں جبکہ یہ لوگ بدعتی ہیں اس پر انہوں نے کہا کہ بھائی عیدگاہ اور جامع مسجد سے بڑی جماعت کہیں نہیں ہوتی اور بڑی جماعت میں ثواب زیادہ ملتا ہے اور میں جامع مسجد یا عیدگاہ میں کوئی بدعت کرتے نہیں دیکھتا ہوں اسی وجہ سے حضرت لطیفیؒ اہل حدیث کے شاگرد تھے مگر اپنے حنفی مسلک پر قائم رہے اور ساتھ ہی بے تعصب بھی رہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اہم کتاب "لطائف حفظ السالکین" جو انہوں نے اپنے مریدوں کی ہدایت کے لئے لکھی ہے اس سے کچھ ضروری باتیں بتاؤں اس سے ان کے مشن، ان کے مزاج اور ان کے مسلک کے سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔

لطائف حفظ السالکین کتاب لکھنے کا مقصد:-

''اس سوداز دہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ نیک راہ کے چلنے والوں کی حفاظت کے لئے (جو اس ناچیز کی فضیلت نہیں بلکہ محض اپنے حسن ظن کی وجہ سے اس نیاز مند سے عقیدت رکھتے ہیں) چند سطریں سلوک کے ضروری مسائل سے متعلق دائرہ تحریر میں لائے تا کہ یہ لوگ اس دائرے سے باہر قدم نہ رکھیں۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں بہت سی بدعتیں بے شمار آفتیں رونما ہورہی ہیں جو ایک سالک کو نیکیوں کی راہ سے ہٹا سکتی ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر قادر مطلق صاحب اسمائے حسنیٰ حافظ حقیقی ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو ان بدعتوں اور دوسرے مفاسد سے محفوظ رکھے''۔

(لطائف حفظ السالکین ص:۴،۵)

یعنی اس کتاب کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ (۱) لوگ بدعتوں سے بچیں (۲) انہوں نے جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے لوگ اس سے باہر قدم نہ رکھیں۔

علم دین حاصل کرنا: حاصل کلام عاقبت اندیش اور سچے طالب (یعنی جو راہ سلوک اور تصوف کا طلبگار ہو) زخمی دل راست باز کو چاہیئے کہ (۱) پہلے صرف ونحو سے اچھی لیاقت حاصل کرے کہ کلام عرب کے پڑھنے اور مراد کے سمجھنے میں راہ پائے (۲) اس کے بعد قرآن فیض ترجمان کا ترجمہ اور مشکوٰۃ المصابیح یا امام محمد کا موطا یا بلوغ المرام اس طرح پڑھے کہ صرف و نحو کی مشکلات حل کرنے سے عاجز نہ رہے (۳) فن فقہ سے کنز الدقائق کافی ہے (۴) تصوف میں مصباح الہدایۃ کافی ہے (۴) منطق میں قطبی سے اوپر ہوس ہے (۵) اگر ہو سکے تو شرح عقاید نسفی اور ہدایۃ الحکمۃ بھی پڑھے اگر کسی مرید کے لئے اس کام کا انجام دینا دشوار ہو تو اس کو چاہیئے کہ ایک مدت تک ایسے شیخ کے خدمت میں جو عالم، سنت کا تابع، بدعت کا دفع کرنے والا ہو اور مشاہدہ اور مکاشفہ والا ہو صحیح معرفت اور ذوق حاصل کرے۔ (ظاہر ہے جب مرید کے

لئے ایسی ہدایت ہے تو پیر کا عالم ہونا ضروری ہے کیونکہ پیر رہبر (لیڈر) ہوتا ہے اور جب وہ عالم نہ ہوگا تو وہ نہ تو شریعت سے واقف ہوگا نہ طریقت سے تو مرید کو کیا راستہ دکھائے گا۔

بقول شاعر:

او خودکه گم رد است کرا رهبری کند　　جو خود گم راہ ہے وہ کس کو راستہ دکھائے گا

اگر مبادا کوئی دونوں کاموں میں سے کسی کو اختیار نہ کرکے چاہے کہ اپنے خیال کے پاؤں سے معرفت کے میدان کو طئے کرکے قربت (خداوندی) کی فضا میں بار پائے تو یہ بات بیشک درست نہ ہوگی کیونکہ جنات اور انسانوں میں بہت سے راہزن راہ میں ہیں کہ ان کا کام یہی ہے کہ صادقین کو لوٹیں اور سنت اور راستی سے پھیر کر بدعت اور گمراہی اور کجی میں ڈال دیں۔ بزرگوں نے کہا کہ کسی پر ایمان کا نور ظاہر نہیں ہوتا مگر سنت کے اتباع اور بدعت کے ترک کرنے سے۔ (لطائف حفظ السالکین، ص: ۶۳، ۶۴، ۶۵)

حضرت لطیفیؒ کے بیان کا یہ ٹکڑا جو نقل کیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) تصوف یا طریقت کی راہ کو اختیار کرنے والوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ علم دین اتنا حاصل کرے جو حضرت نے بتایا ہے۔

(۲) اگر یہ نہ کر سکے تو ایسے پیر کی خدمت میں ایک زمانہ تک رہ کر یہ کمی پوری کرے۔

(۳) پیر کو عالم ہونا چاہئے ساتھ ہی پیر سنت پر عمل کرنے والا ہو اور بدعت کو دور رکھنے والا ہو۔

سلوک طریقت وتصوف کے کام شروع کرنے کا وقت:

تمام سچے صوفیوں اور اولیاء اللہ کی طرح حضرت لطیفیؒ بھی شریعت کی پابندی پر زور دیتے ہیں چنانچہ حضرت لطیفیؒ فرماتے ہیں "جب مرید شریعت کے طریقہ پر درست ہو جائے اور حدود (یعنی شریعت کی جو حد بندیاں ہیں) و احکام شرعی سے بال برابر تجاوز (یعنی حدوں سے باہر) نہ کرے اور کھانے، پینے، بولنے، سونے، چلنے اور گھربار کے متعلق دوسرے کاموں میں ضرورت کے مطابق کفایت کرے اور کبھی کسی فضول کام میں مشغول نہ ہو۔ اور ظاہر فتوی سے

تقویٰ کی طرف رجوع کرے اور صوفیوں کے عقاید پر چست درست رہا کرے اور مدعیوں کی نکالی ہوئی بدعتوں سے بالکل پرہیز کرتا رہے تو البتہ اس کے سلوک کے کام کے (شروع) کرنے کا وقت پہنچے گا۔ (لطائف ،ص: ۱۲۲، ۱۲۳، بارہواں لطیفہ)

مطلب یہ کہ راہ سلوک (طریقت) میں چلنے کے لئے بنیادی شرطیں یہ ہیں کہ شریعت کے حکموں پر اس طرح چلے کہ بال برابر اِدھر اُدھر نہ ہٹے اور زندگی کے تمام کاموں میں ضرورت کے مطابق کفایت کرے۔ کسی فضول کام میں مشغول نہ ہو اور لوگوں کی نکالی ہوئی تمام بدعتوں سے بالکل پرہیز کرے۔

حضرت لطیفیؔ کی ان ہدایتوں سے موجودہ زمانہ کے جاہل پیروں نادان مریدوں کی ان باتوں کی (کہ اب تو مرید ہو چکے ہم کو کچھ نہیں کرنا ہے پیر صاحب ہم کو جنت میں لے جائیں گے اور یہ لوگ شریعت پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں شریعت الگ اور طریقت الگ ہے) جڑ کٹ جاتی ہے۔

ولی کون ہے:

ولی کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ولی ''محفوظ'' ہو جیسا کہ پیغمبر کے لئے معصوم (گناہوں سے بچنا) ایک شرط ہے۔ جس شخص پر شریعت کی طرف سے کوئی اعتراض ہو وہ شخص فریب خوردہ اور دھوکا کھایا ہوا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی (ایک بہت مشہور اور بڑے ولی اللہ) قدس سرہ نے ایک ایسے شخص سے ملنے کا ارادہ کیا جو ولی مشہور تھے۔ یہ جب اس کی مسجد میں پہنچے تو ولی صاحب کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے آخر کار وہ صاحب نکلے اور قبلہ کی طرف تھوک دیا، تو حضرت بایزید نے اس شخص کو سلام تک نہیں کیا اور پلٹ آئے اور فرمایا کہ یہ شخص شریعت کے اداب میں سے ایک ادب کا محافظ نہیں ہے تو پھر یہ شخص خدا کے رازوں کا محافظ کیسے ہو سکتا ہے۔ (لطائف ،ص: ۱۵) اللہ اکبر ذرا غور کیجئے کتنی بڑی بات مولینا کہہ رہے ہیں۔ یعنی شریعت میں ناجائز چیزوں سے بچنا،

جائز پر عمل کرنا، فرض واجب، سنتوں پر عمل کرنا صرف کافی نہیں بلکہ ولی کے لئے شریعت کے ادبوں کا بھی خیال کرنا ضروری ہے خواہ وہ کام جائز ہی کیوں نہ ہو۔ آجکل ایسے بھی پیر دیکھے گئے ہیں جو نہ نماز کے پابند ہیں نہ روزے کے اور کہتے ہیں کہ ہم اہل طریقت ہیں ہم پر شریعت کے احکام لاگو نہیں۔ جب پیر کا یہ حال ہو تو مریدوں کا حال تو اور بھی بدتر ہوگا۔ ایسے لوگ اسلام کے سخت مخالف ہیں اس لئے کہ اسلام نام ہے اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کا جس کو شریعت کہتے ہیں اور شریعت کی مخالفت اللہ اور رسول ﷺ کے احکام سے بغاوت ہے۔ حضرت لطیفیؒ نے اپنی وصیت نمبر-۲، ص: ۵۷ میں جو فرمایا ہے اس سے اس بات کی اور وضاحت ہوگی:

> ''مرید کو نہیں چاہیئے کہ کبھی شریعت کی حدوں سے تجاوز کرے اور اچھی طرح جان لے کہ جب تک شریعت کی بارگاہ سے اس پر کوئی شبہہ یا کوئی اعتراض باقی رہے تو سلوک کا کام اس کو کسی چیز یا مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتا۔ حضرت سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ''اگر تم (اے مریدو) کسی کو دیکھو کہ کرامتوں سے اس کو اتنا زیادہ حصہ ملا ہے کہ وہ ہوا پر اُڑ رہا ہے تب بھی یہ نہ چاہیئے کہ تم اس پر فریفتہ ہو جاؤ یہاں تک کہ خوب غور کرلو کہ امر (جن باتوں کا حکم ہے) و نہی (جن کاموں سے منع کیا گیا ہے) کے بجالانے اور حدود (شریعت) کی حفاظت اور احکام کی بجا آوری میں اس کو کیسا پاتے ہو''۔ (یعنی کسی کو دیکھو کہ کرامت کے زور پر وہ ہوا پر اڑتا ہے تو اس پر فریفتہ نہ ہو جاؤ جب تک کہ اچھی طرح دیکھ نہ لو کہ وہ شریعت کا پورا پابند ہے یا نہیں شریعت کے ادبوں پر اس کا عمل ہے یا نہیں اگر نہیں تو پھر وہ جادوگر ہو سکتا ہے صاحب کرامت ولی نہیں۔)

اعتقاد صحیح اور اعتقاد فاسد:

حضرت لطیفیؒ نے اپنی کتاب مکتوبات لطیفی میں ایک نہایت عالمانہ اور صوفیانہ طریقہ

سے صحیح اعتقاد اور فاسد اعتقاد کی بحث درج کی ہے اس کا جاننا نہ صرف مفید بلکہ ضروری ہے۔ وہ لکھتے ہیں" اعتقاد کی دو قسمیں ہیں ایک صحیح اعتقاد جیسے بڑے صحابہ اور نیک اولیاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا۔ دوسرا اعتقاد فاسد جیسے اعتقاد مجوبانِ ملت کا جو رسم و عادت کے قیدی ہیں (مجوبان کا مطلب ہے وہ مسلمان جن کی نفسوں پر حرص و ہوا، جہالت، کج فہمی بے عقلی کا پردہ پڑا ہے وہ اللہ اور رسول ﷺ کے کلام کی سمجھ سے نا آشنا ہیں) اعتقاد صحیح کے حاصل کرنے کا مرکز حضور پرنور ﷺ کے زمانے میں خود حضور کی ذات تھی ....اور حضور کے اس دنیا سے پردہ کر لینے کے بعد ہر روز نفسوں کی تاریکیاں اور رغبتیں دنیا کی طرف زیادہ ہوتی گئیں جوں جوں حضور ﷺ کے زمانے سے دوری زیادہ ہوتی گئی خرابیاں بڑھتی گئیں۔

لیکن اولیائے کرام اس زمانہ تک حضرت نبی ﷺ اور صحابہ کے اعلیٰ طبقہ کی اور ثانی طبقہ چنے ہوئے تابعین (تابعی وہ شخص جو مسلم ہو اور کسی صحابی سے ملا ہو) کی تقلید اور پیروی میں نفسانی خواہشات اور دلوں کی کجی سے محفوظ اور دنیا و مافیہا سے رخ پھیرے ہوئے حق کی طلب میں یک دل اور یک جہت ہو گئے ہیں۔.... اور مشاہدہ کی دولت اور مکاشفہ کی نعمت کے شرف سے مشرف اور ممتاز ہیں اور مجوبان ملت کی طرف رحمت کی نظر سے، دیکھتے ہیں اور ان کے ساتھ عناد (دشمنی) کا طریقہ اختیار نہیں کرتے..... صوفیوں کے حالات کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے دلوں نے محبت الٰہی کی مٹھاس پانے کی وجہ سے دنیا کی محبت سے پورے طور پر منہ پھیر لیا ہے اور جھگڑے اور مخالفت کی رگیں ان سے نکل گئی ہیں اور صوفیاء رحمت و شفقت کی نظر سے تمام مخلوق کو دیکھتے ہیں اور عداوت اور مخالفت کے عذاب سے نجات پا چکے ہیں اور ان کو نجات پایا ہوا فرقہ کہا جاتا ہے سچے طالب کو چاہیئے کہ تمام حالات میں ان کی پیروی کرے تا کہ اعتقاد صحیح تک پہنچے اور اعتقاد فاسد سے چھٹکارا پائے۔ اب واپس آئیے اعتقاد فاسد کے بیان کی طرف جاننا چاہیئے کہ اعتقاد فاسد کے پیدا ہونے اور اس کا مرکز شروع حالت میں یہ ہے کہ بچوں کے سادہ دلوں میں باپ داداؤں کی رسموں اور عادتوں کو بار بار سننے سے ان کے نقش جم جاتے ہیں۔

یہاں تک کہ کچھ دن گذرنے اور خاص کر لمبی مدت گذرنے کے بعد وہ آبائی رسمیں ان کے دلوں میں پتھر کی لکیر کی طرح جم جاتی ہیں اور ان کے دل اور نفس اس پتھر کے نقش سے مزین اور منقش ہو جائے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ جس کو بھی یہ لوگ اپنی ملت اور اعتقاد کے خلاف دیکھتے ہیں اس کو باغی اور گمراہ قرار دیتے ہیں اور دشمنی اور جھگڑے کا راستہ کھول دیتے ہیں اور اپنے گمان کے مطابق سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنے مسلک کے ثابت کرنے کے لئے دلیلیں اکٹھی کر لی ہیں۔ اور یہ تصور کرتے ہیں کہ ہم پایۂ تحقیق تک پہنچ چکے ہیں اور تقلید (پیروی) کے دائرہ سے باہر آ چکے ہیں۔ لیکن اگر حقیقت میں دیکھیں تو یہ لوگ اسی طرح اپنے اماموں اور اپنے مذہب کے علماء کی تقلید (پیروی) کے قید میں گرفتار ہیں کہ اپنے حسن ظن (نیک گمان) اور اُن کی رائے کے درست ہونے کے خیال سے ان دلیلوں کو جو ان کے گروہ کے مطابق ہیں ان سے قبول کر لیا ہے۔ اس مکتوب کے آخیر میں وہ دعاء کرتے ہیں کہ "حق سبحانہ وتعالیٰ آپ بھائی کو اعتقاد صحیح و درست تک پہنچائے اور اعتقاد فاسد اور رسموں اور عادتوں کی آفتوں سے نجات دے"۔

(مکتوبات لطیفی ص: ۲۶-۲۵)

مطلب یہ کہ حضرت لطیفیؒ فرماتے ہیں کہ اعتقاد صحیح کی بنیاد اور حاصل کرنے کا خزانہ حضور ﷺ، اونچے درجہ کے صحابہ اور تابعین کی تعلیمات ہیں انہوں نے محدثین اور فقہ کے اماموں کا تذکرہ نہیں کیا یہاں تک کہ عقاید کے اہل سنت والجماعت کے امام ابوالحسن اشعری، ابوالمنصور ماترمدی تک کے نام نہیں لئے۔ اس لئے کہ ان کے عقاید کا خزانہ بھی اُن ہی حضرات کی تعلیمات ہیں رہے دیوبندی بریلوی کس شمار قطار میں ہیں۔ اسی سے مولانا کے خیالات صاف معلوم ہوتے ہیں ساتھ ہی حضرتؒ نے اعتقاد صحیح اور فاسد کی صحیح نشاندہی کر دی ہے جو لوگ مخلص اور تعصب سے پاک ہیں وہ اچھی طرح مولانا کی باتوں کو سمجھ سکتے ہیں۔

جعلی پیروی کی مخالفت: حضرت لطیفیؒ ایک صاحب معرفت صوفی اور بہت بڑے عالم دین تھے جہاں انہوں نے قدم قدم پر سنت پر عمل اور بدعتوں سے پرہیز کی تعلیم دی اور تاکید

کی ہے وہیں جعلی اور دھوکہ باز پیروں کے خلاف بھی لکھا ہے وہ یہ ہے:

''اس سفر میں دو دستار بندوں آدم رو ابلیس خو (صورت میں انسان خصلت میں شیطان) (پگڑی والوں) کے عجیب واقعات کی خبر مجھے لوگوں نے دی (۱) ایک وہ شخص کہ علاقہ کے کسی آدمی کی دعوت قبول نہیں کرتا تھا جب تک کہ دعوت کرنے والے سے مرید ہونے کا وعدہ نہ لے لے اور اگر کسی وقت مصلحت کی وجہ سے ایسا پیشگی وعدہ نہ لے سکے اور دعوت قبول کر کے دعوت والے کے گھر پہنچ گیا تو کھانا کھانے سے پہلے کہتا ہے کہ جب تک تم میرے مریدوں کے حلقہ میں داخل نہ ہو گے میں کھانا ہرگز نہ کھاؤں گا بلکہ کھائے بغیر تم سے ناراض ہو کر چلا جاؤں گا۔ اس صورت میں وہ دعوت کرنے والا بغیر رغبت اور بغیر عقیدت مندی کے صرف زبان سے نہ دل سے اس کا مرید ہو کر اس کو پیر بنالیتا ہے اور اس کو کھانا کھلاتا ہے اور کچھ رقم اس کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اور بس (۲) ہاں دوسرے کا قصہ یہ کہ ان پگڑی والوں میں سے ایک مرید کرتے وقت ہر ایک مرد اور عورت کو الگ الگ اپنے ساتھ خلوت (اکیلے) میں لے جاتا ہے اور کسی کو بھی اس خلوت (اکیلی جگہ) میں جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ عالم الغیب (اللہ) ہی جانتا ہے کہ کس کے ساتھ وہ کیا معاملہ کرتا ہے کس طرح پیش آتا ہے اور کس طرح بیعت لیتا ہے۔ ہاں اگرچہ مردوں کے متعلق اس حالت میں کوئی اعتراض شریعت کی طرف سے نہیں ہے لیکن عورتوں کے متعلق سخت اعتراض ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس طرح کے جھوٹے لوگ طالبوں کے لوٹنے والے اور دین کے دشمن ہیں خدائے واحد ان کے عملوں کے موافق ان کو مناسب سزا دے۔ آمین''۔

کچھ واقعات: اس سے پہلے کہ اختلافی مسئلوں کے متعلق لکھا جائے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لطیفیؒ کی زندگی کے کچھ واقعات درج کروں ان سے ان کے مسلک کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

دیوبند اور دہلی کا سفر: حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے، ابوظفر امام مظفر قیصر گھر سے چپکے سے دیوبند پڑھنے کے لئے چلے گئے ان کو گھر لانے کے لئے حضرت لطیفیؒ دیوبند تشریف لے گئے، ان کے ساتھ مولانا محمد عابد صاحب، چندی پوری، مولوی عبدالمولیٰ کبیر یا حضرت کے بڑے داماد، بھتیجے شاگرد اور مرید بھی اور بھی کچھ لوگ ساتھ تھے۔

مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ اس وقت دورۂ حدیث کے طالب علم تھے ان کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو خبر ملی کہ پورب کے بہت بڑے عالم آئے ہوئے ہیں اس وقت شیخ الحدیث مولانا محمود الحسن (شیخ الہند تھے) وہ پڑھا کر فارغ ہوئے تو برآمدہ میں ایک چارپائی پر دونوں بیٹھے اور باتیں کرنے لگے ہم لوگ کھڑے کھڑے چاروں طرف ان کی باتیں سنتے رہے۔ مولانا لطیفیؒ قریب ایک ہفتہ مہمان رہے اور شیخ الہند نے مختلف مسائل کے متعلق خوشگوار ماحول میں باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ اوران سے معائنہ بک میں اپنی رائے دارالعلوم دیوبند کے متعلق لکھنے کی گذارش کی گئی تو وہ مراقبہ میں بیٹھ گئے اور جب فارغ ہوئے تو معائنہ بک پر یہ لکھا ''من مراقب گشتیم و برما منکشف شد فیہا خیر'' (میں نے مراقبہ کیا اور مجھ پر ظاہر ہوا کہ اس میں بہتری ہے) یہ بات میں گھر پر بارہا سن چکا تھا اور یہی بات بعینہ مولانا اعزاز علی صاحب نے مجھے بتائی۔ یعنی گھر کی سنی ہوئی بات کی تائید دیوبند میں بھی ہوئی۔ اب کچھ لوگ من مانی طور پر یہ کہتے ہیں کہ ''مـافیهـا خیر '' (اس میں بہتری نہیں) لکھا تھا ایسا کہنے والے نہ تو حضرت مخدوم شرف الہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات سننے کا دعویٰ کر سکتے ہیں نہ ہی دیوبند کے ایک اہم استاذ سے یہ بات سنی ہے۔ حضرت امام صاحب کے دیوبند جانے اور حضرت لطیفیؒ کا ان کو لانے اور پھر دہلی اپنے استاذ

کے یہاں جانے کے واقعات سے کئی اہم باتوں کا صاف صاف پتہ چلتا ہے۔

(۱) امام صاحب دیوبند ہرگز تعلیم حاصل کرنے نہ جاتے اگر مولانا حفیظ الدین صاحب کے یہاں علمائے دیوبند کے خلاف کوئی تعصب ہوتا کہ وہ لوگ کافر ہیں، مرتد ہیں، اللہ اور رسول کو برا کہتے ہیں اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو امام صاحب وہاں جاتے ہی نہیں اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت لطیفیؒ کے یہاں ایسی کوئی بات نہ تھی جو علمائے دیوبند سے بدظن کرنے والی ہو۔

(۲) مولوی عبدالمولیٰ صاحب جو اس سفر میں ساتھ ان کا کہنا تھا (انہوں نے خود مجھ سے یہ بات بتائی) کہ فیاض میاں مولانا عابد صاحب کو لوگ بُرا کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے دارالعلوم لطیفی میں دو دیوبندی مولویوں کو ملازم رکھا ہے جن کے پیچھے نماز بھی جائز نہیں۔ ایسا تو رحمٰن پور خانقاہ سے تعلق رکھنے والوں کو کہنا نہیں چاہیئے اس لئے کہ حضرت لطیفیؒ کے ساتھ ہم لوگ دیوبند گئے تو قریب ایک ہفتہ وہاں رہے تو ہم سب اور حضرت لطیفیؒ پانچوں وقت نماز باجماعت دیوبند کے امام کے پیچھے پڑھتے رہے اور مولانا نے نماز نہیں دوہرائی نہ ہم لوگوں سے دوہرانے کو کہا کیا وہ ہم لوگوں کی نمازوں کا عذاب اپنے سر لے گئے میں تو ان کا داماد، بھتیجا اور شاگرد تھا باقی دوسرے بھی شاگرد تھے اگر نماز ناجائز ہوتی تو وہ خود دوہراتے اور ہم لوگوں کو بھی دوہرانے کا حکم دیتے۔ باقی امام صاحب تو زیادہ دن وہاں رہے وہیں کے اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے رہے تھے۔

(۳) اس سے بڑھ کر یہ بات کہ مولوی عبدالمولیٰ صاحب نے یہ بھی بتایا کہ دیوبند سے واپسی میں ہم لوگ دہلی حضرت لطیفیؒ کے استاذ مولانا نذیر حسین محدث دہلوی کے یہاں گئے وہاں مولانا نذیر حسین جو اہل حدیث عالم تھے کے پیچھے حضرت لطیفیؒ اور ہم لوگ بے اعتراض نماز پڑھتے رہے۔

پٹنہ صادق پور میں اہل حدیث امام کے پیچھے نماز: جب نماز کی بات چل رہی ہے تو ایک واقعہ اسی طرح کا پٹنہ کا ہے۔ اس واقعہ کے راوی ہمارے چھوٹے پھوپھا (یعنی

حضرت لطیفیؒ کے داماد) مولوی وصی الدین ہیں انہوں نے بتایا کہ میرے والد حاجی الطاف حسین اور حضرت لطیفیؒ دونوں سمدھی پٹنہ میتن گھاٹ بارگاہ عشق اپنے پیر کے یہاں گئے وہاں سے عصر سے پہلے دونوں سمدھی محلہ صادقپور گئے (اس محلہ میں سب اہل حدیث مسلک کے لوگ ہیں) وہاں مولانا ابراہیم خان صاحب اہل حدیث عالم حضرت لطیفیؒ کے دوست تھے ان سے ملے باتیں ہوتی رہیں اس درمیان عصر کا وقت ہوگیا تو وہیں کی مسجد میں حضرت لطیفیؒ اور الطاف حسین دونوں نے ابراہیم خاں کے پیچھے نماز پڑھی اور کوئی اعتراض نہیں کیا اس واقعہ کو حاجی الطاف حسین صاحب فخریہ بیان کرتے اور کہتے کہ مولانا کا مشرب بہت وسیع تھا اور وہ تعصب سے دور تھے وہ اہل حدیث کے پیچھے بھی نماز پڑھتے تھے۔

لڑکی کو بہشتی زیور پڑھوانا: یہ کتاب جس کے لکھنے والے مولانا اشرف علی تھانوی تھے۔ بریلوی طبقہ میں بہت بدنام ہے۔ واقعہ یہ کہ میری چھوٹی پھوپھی صغریٰ خاتون جن کی شادی مہتپور ہوئی تھی ایک دفعہ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اپنے والد کے وقت مسئلہ مسائل کی کتاب پڑھی تھی؟ انہوں نے کہا پڑھی تھی میں نے پوچھا کون سی کتاب تو وہ بولیں بہشتی زیور مجھے کچھ حیرت ہوئی پھر میں نے پوچھا یہ کتاب کون لایا تھا تو انہوں نے بتایا کہ ابا لائے تھے۔ پھر میں نے پوچھا پڑھاتے کون تھے تو بتایا کہ مولوی شرف الدین صاحب گانگی کے (یہ مولانا کے خلیفہ تھے) یہ واقعہ مولانا کے مسلک کے سمجھنے میں مددگار ہوگا۔

ایک شبہہ کا حل: یہاں ایک شبہہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ایسی باتیں تھیں تو وہ امام صاحب کو دیوبند سے گھر کیوں لے آئے؟ اس کی وجہ یہ کہ مولانا کا ظاہر ہے کہ دیوبندی بریلوی کسی مسلک سے تعلق نہیں تھا۔ ان کا اپنا مسلک تھا ان کو دونوں طبقوں سے کچھ نہ کچھ اختلاف تھا (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) علمائے دیوبند سے ایک اختلاف انہوں نے اپنی کتاب مکتوبات لطیفیؒ میں درج کیا ہے جس کی تفصیل آئندہ بیان کروں گا وہ ہے امکان کذب کا مسئلہ ان کے علاوہ کچھ خانقاہی رسمیں تھیں جن کے سلسلے میں ان کا اختلاف دونوں طبقوں سے تھا اور

حضرت لطیفیؒ اپنی زندگی میں بڑے صاحبزادے کو سجادہ نشیں بنانا چاہتے تھے ان کا خیال تھا کہ دیوبند میں پڑھنے سے ان سے اختلاف ہوگا اور ان کی تجویز پر عمل کرنا دشوار تھا ورنہ دیوبندی عالم سے پڑھنے کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے جو ایک اور واقعہ سے ظاہر ہوگا۔

محمد یہ ضلع پورنیہ میں مدرسہ قائم کرنا: حضرت لطیفیؒ تعلیم (دین) کے بڑے شیدائی تھے جس کے لئے انہوں گھر چھوڑ دیا اور سخت مصیبتوں کا سامنا کرتے ہوئے پڑھتے پڑھاتے رہے پڑھ لکھ کر سہسرام میں قریب ۱۲ سال تک مدرس اول اور ناظم کی حیثیت سے کام کرنے کے بعد واپس آئے تو اس سے پہلے ان کی شادی ہو چکی تھی اور ان کی ۲ لڑکیاں اور ۲ لڑکے پیدا ہو چکے تھے بڑی لڑکی کی شادی سہسرام ہی سے ہوئی تھی اور شادی کے بعد ان کا انتقال ہوگیا داماد بھی وفات پا چکے تھے۔ واپسی میں ان کے ساتھ دادی جان، ایک لڑکی خدیجہ جن کی شادی کنھریا ہوئی تھی اور لڑکے امام مظفر اور مخدوم شرف الہدیٰ تھے والد صاحب (مخدوم صاحب) نے فرمایا میں اس وقت ۳ سال کا تھا۔ یہ باتیں تو ضمنی طور پر لکھی گئیں کہنا یہ کہ انہوں نے جا بجا مدرسے قائم کئے پہلے کنھریا میں مدرسہ قائم کیا پھر عماد پور قریب بارسوئی میں اور محمد یہ اسٹیٹ میں مدرسہ اسلامیہ رحمۃ کے نام سے قائم کرایا یہ ۱۳۱۰ بنگلہ کی بات ہے وہاں کے رئیس سے کافی جائیداد مدرسہ میں وقف کرانے کے بعد خود ۳ یا ۴ ماہ تک پڑھاتے رہے اس کے بعد وہ گھر آنے کو مدرسہ چھوڑ کر تیار ہوئے تو متولی وغیرہ نے اصرار کیا کہ وہ نہ جائیں، انہوں نے جواب دیا کہ میں نے صرف مدرسہ کو جاری کرنے کے خیال سے کام شروع کرا دیا مجھے اپنا گھر سنبھالنا ہے اور اپنے یہاں مدرسہ قائم کرنا ہے تو ان لوگوں نے کہا ہم کو اچھا مدرس لا کر دیجئے، تو انہوں نے دلال گنج (ضلع پورنیہ) کے مدرسہ سے مولوی اصحاب الدین فاضل دیوبند کو اپنی جگہ بحال کر آئے اور اپنے گھر پر مدرسہ قائم کیا) ابھی ۱۴۱۰ بنگلہ ہے یہ مدرسہ سو سال کا ہوگیا۔ ایک بات اور اس ضمن میں یہ کہ محمد یہ کے مدرسہ سے جب مولوی اصحاب الدین چلے گئے تو پھر حضرت لطیفیؒ نے ایک اور فاضل دیوبند کو ان کی جگہ رکھوایا۔ یہ باتیں مجھے مولوی شہاب الدین مرحوم بن مولانا

محمد عابدؒ اور مولوی منور حسین صاحب ..... التاباڑی سابق شیخ الحدیث دار العلوم لطیفی کٹیہار سے معلوم ہوئیں یہ حضرات محمدیہ کے مدرسہ میں پڑھ چکے تھے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی کے انتقال سے حضرت لطیفیؒ کو صدمہ: حضرت لطیفیؒ کو جب مولانا رشید احمد گنگوہی کے انتقال کی خبر ملی تو ان کو سخت صدمہ ہوا اور ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے حاضرین نے پوچھا کہ حضرت آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں تو انہوں نے کہا کہ ہم لوگ چاہے کچھ ہوں لیکن ان کی شخصیت بہت بڑی تھی ان کا مقام بہت بلند تھا (جس زمانہ میں حضرت لطیفیؒ دلی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اس زمانہ میں ہندوستان میں علم حدیث کے دو ہی عالم سب سے بڑے مانے جاتے تھے ایک مولانا نذیر حسین دوسرے مولانا رشید احمد گنگوہ سہارنپور سے قریب ۷۰-۸۰ کلومیٹر دور دیہات میں واقع ہے راستہ بھی کچا ہے۔ میں ۱۹۶۳ء میں اپنے دوست خواجہ حسن ثانی نظامی کے ساتھ دلی درگاہ نظام الدین سے گیا تھا۔ اوبڑ کھابڑ سڑک دھول اڑتی ہوئی اس لئے ہمارے اطراف کے لوگوں کا وہاں جانا خاص کر ایک صدی سے زیادہ پہلے سخت دشوار تھا ورنہ حضرت لطیفیؒ حدیث پڑھنے وہیں جاتے اس لئے کہ مولانا گنگوہی حنفی عالم تھے اور حضرت لطیفیؒ بھی حنفی۔

مولانا بدرالدین فاضل دیوبند سے تعلقات: مولانا بدرالدین صاحب قاسمی شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے شاگرد تھے اور حضرت شاہ بدرالدین پھلواروی کے مرید شاعری کرتے تھے اور بدریؔ تخلص کرتے تھے بڑے عالم تھے شروع میں وہ مولانا حفیظ الدین کے شاگرد تھے یہ اعظم نگر کے راہنے والے تھے جو کٹہریا سے ۲ میل دکھن واقع ہے۔ تاحیات حضرت لطیفیؒ کے تعلقات ان سے بہت اچھے رہے۔ جب حضرت دکھنی علاقہ کے سفر پر تشریف لے جاتے تو پروگرام ایسا بنتا کہ اعظم نگر میں رات گذار کر مولانا بدرالدین کو ساتھ سفر میں لے جاتے اور سفر ختم ہونے پر واپسی میں اعظم نگر میں رات گذار کر گھر واپس آتے۔ مولانا بدرالدین صاحب نے ایک واقعہ سنایا کہ جب حضرت لطیفیؒ کو معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رسول اللہ ﷺ کو

''عالم الغیب'' کہتے ہیں تو حضرت لطیفیؒ نے ہنستے ہوئے کہا وہ رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہتے ہیں میں تو خدا کو بھی عالم الغیب نہیں مانتا۔ مفتی حضرات حضرت لطیفیؒ کے اس قول کو کلمہ کفر مانیں گے، میں آگے اس کا مطلب سمجھاؤں گا۔

ایک بریلوی مولوی سوداگر کی بات: میرے والد محترم حضرت مولانا مخدوم شرف الہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں بارہا یہ واقعہ سنایا کہ ایک سوداگر بریلی کے جو مولوی تھے اور مولانا احمد رضا خاں صاحب کے شاگرد اور مرید بھی بزنس کے سلسلہ میں سال میں ایک دفعہ اس علاقہ میں بھی آتے تھے۔ وہ حضرت لطیفیؒ سے بعض مشکل مسئلوں کے بارے میں سوال کرتے تھے حضرت فرماتے کہ مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں اپنے مولانا سے پوچھئے تو یہ بہت عاجزانہ لہجہ میں کہتے کہ آپ کی بات ہی اور ہے حضور فرمائیے: اس کے بعد حضرت لطیفیؒ مسئلہ پر گہرائی سے بحث کرتے ہوئے ان کو سمجھاتے تو وہ بے تحاشہ خوش ہو کر اچھلتے اور اپنے زانو پر ہاتھ مار کر کہتے، واللہ تحقیق اسے کہتے ہیں! واللہ تحقیق اسے کہتے ہیں۔ اس واقعہ سے حضرت لطیفیؒ کا اعلیٰ علمی مقام معلوم ہوتا ہے اور یہ بات کہنے والے مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے شاگرد اور مرید بھی تھے شاید وہ ایسے مسائل کی تحقیق حضرت لطیفیؒ سے کرتے تھے جن کے متعلق ان کی تشنگی اپنے پیر کے یہاں سے دور نہیں ہو سکی تھی اس لئے ان کا یہ کہنا کہ ''آپ کی بات اور ہی ہے'' اور بیان کرنے پر یہ کہنا کہ ''واللہ تحقیق اسے کہتے ہیں واللہ تحقیق اسے کہتے ہیں'' اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لطیفیؒ کا مقام خانصاحب سے اونچا ہے اور اس بات کی گواہی حضرت لطیفیؒ کا کوئی مرید نہیں دے رہا ہے بلکہ وہ دے رہا ہے جو ان پڑھ نہیں مولوی ہے اور خانصاحب کا مرید بھی اور شاگرد بھی اس لئے ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو خانصاحب کو حضرت لطیفیؒ سے بڑا عالم مانتے ہیں۔

مولانا غلام مصطفیٰ فخر سہسرامی فاضل دیوبند حضرت لطیفیؒ کے مرید اور خلیفہ: ان کے واقعات سے بھی حضرت لطیفیؒ کے مسلک کے ساتھ ان کا اونچا درجہ علم و معرفت کے

میدان میں معلوم ہوگا۔ ان کی پیدائش سہسرام میں ۱۲۸۵ھ میں ہوئی اور وفات ۱۳۶۹ھ (مطابق ۳ مارچ ۱۹۵۰ء) انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں حدیث کی آخری (درجہ فاضل تک) تعلیم پائی ان کے استاد مولانا محمودالحسن شیخ الہند، شیخ الحدیث تھے۔ فخر سہسرامی بہت قابل عالم دین، اور اچھے شاعر، مقرر اور حکیم بھی تھے۔ ان کے مورث اعلیٰ عرب سے فارس کے مقام ہمدان میں آئے پھر مغل بادشاہوں کے زمانے میں دہلی آگئے پھر یوپی آئے بعدہ ضلع آرا، سہسرام میں بس گئے۔ فخر صاحب کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔ ایشیا کی سب سے بڑی دینی یونیورسٹی کے فاضل، واعظ خوش بیاں، ایک درجن کتابوں کے مصنف، شاعر وہ بھی اچھے شاعر اور حکیم ایسی بڑی شخصیت کا حضرت لطیفیؔ سے مرید ہونا ایک بڑی بات ہے اس سے بھی حضرت لطیفیؔ کا بلند ترین مقام کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے حالات زندگی سے متعلق ایک کتاب گیا میں مجھے ریاض گیاوی نے دی جو فخر کے نواسے ہیں یہ ۸۵-۱۰-۷ کی بات ہے جبکہ میں حضرت لطیفیؔ کی سوانح عمری (جس کے مصنف مولانا غلام مصطفےٰ فخر سہسرامی تھے) تلاش میں گیا تھا جو چھپ نہیں سکتی تھی لیکن ریاض گیاوی کوشش کے باوجود وہ کتاب حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے کچھ پتہ بھی نہیں چلا۔ انہوں نے ایک کتاب مجھے دی کتاب کا نام ''یادگار فخر'' ہے اس میں تلاش بسیار کے بعد ان کا جو کلام مل سکا اس کو شائع کیا گیا ہے اسی کے ساتھ ان کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ان کی مختصر سوانح عمری بھی ہے۔ اس کا ایک حصہ نقل کر رہا ہوں:

> ''کتب حدیث اور تکمیل علوم کے خیال نے حضرت مولانا محمودالحسنؒ شیخ الہند کی خدمت میں پہنچایا۔ بحمداللہ دیوبند کے دارالعلوم میں محدث اعظم حضرت شیخ الہندؒ کی کشف برداری نے مجھ کو سرفرازی بخشی۔ وہاں سے سند تکمیل حاصل کرنے کے بعد، مظفرپور، پورنیہ اور دربھنگہ وغیرہ مدارس اسلامیہ میں مدرس اول رہا۔ غرض کہ زندگی کے دور نے دنیا کے مختلف شعبوں کی سیر کرائی۔ کبھی فن طبابت سے کام لیتا رہا اور کبھی مدرسی کرتا

رہا۔ حضرت سلطان العارفین مولانا سید شاہ حفیظ الدین لطیفیؒ ابوالعلائی
کی نظر کیمیا اثر نے مجھ کو، ہر طرف سے بے نیاز بنا رکھا ہے اور اب تو

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست — ایک ڈوری میرے دوست نے مری گردن میں ڈال دی ہے

می برد ہمہ جا کہ خاطر خواہ اوست — اور جہاں جی چاہتا ہے مجھے لئے پھرتا ہے

بار اجازت (خلافت) سر پر ڈال دیا گیا اور حکم ہوا کہ تم اپنی زندگی خدمت خلق ہی میں بسر کرو اس میں تم کو بہت کچھ ملے گا''۔

اس بیان سے صاف معلوم ہو گیا کہ شیخ الہند کا شاگرد ہونا فاضل دیوبند ہونا اور حضرت لطیفیؒ کا خلیفہ ہونا کوئی...... بے جوڑ یا متضاد باتیں نہیں تھیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اتنا بلند پایہ عالم حضرت لطیفیؒ کو سلطان العارفین (عارفوں کے بادشاہ) کہہ رہا ہے اس سے حضرت لطیفیؒ کا اونچا مقام بھی معلوم ہوتا ہے۔

کوئی کوتاہ نظر تہی دماغ متعصب شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ مولانا فخرؔ صاحب دیوبندی مسلک سے توبہ کر کے حضرت لطیفیؒ کے مرید اور خلیفہ ہوئے تھے تو مولانا فخر سہسرامی کے خود لکھے ہوئے بیان سے یہ دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ ان کا یہ لکھنا خلافت حاصل کرنے کے بعد ہوا ہے اس میں وہ جہاں اپنے استاد کو محدث اعظم حضرت شیخ لکھ کر ان کی جوتیاں سیدھی کرنے کو اپنے لئے باعث عزت لکھا ہے وہیں حضرت لطیفیؒ کو حضرت سلطان العارفین مولانا سید شاہ حفیظ الدین لطیفیؒ کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور ایک شعر بھی لکھا ہے ان باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت فخرؔ سہسرامی بہ یک وقت اپنے استاذ اور اپنے پیر سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے نہ صرف عقیدت ہی نہیں بلکہ ان کی ہدایت پر چل کر اپنی زندگی بسر کی۔ مولانا غلام مصطفےٰ فخر سہسرامی میرے سامنے ۲ دفعہ رحمٰن پور آئے۔

آخری دفعہ وہ اپنے ساتھ اپنی لکھی ہوئی کتاب حضرت لطیفیؒ رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری (Bio-graphy) لائے تھے اور انہوں نے مولانا محمد عابد صاحب چندی پوری خلیفہ حضرت لطیفیؒ سے التماس کیا کہ آپ یہ کتاب چھاپ دیں لیکن اس وقت مولانا محمد عابد صاحب دارالعلوم لطیفی قائم کر کے جو ابھی ایک چھوٹا سا مدرسہ تھا اس کو صحیح معنوں میں دارالعلوم لطیفی (جو حضرت لطیفیؒ کی یادگار کے طور پر مولانا عابد نے قائم کیا تھا) بنانے کے لئے بے حد مصروف تھے رات دن دیہاتوں کے دورہ میں لگے تھے انہوں نے کہا میں ابھی دارالعلوم لطیفی کے سلسلہ میں بے حد مصروف ہوں آپ ابھی اس کو رکھیں ذرا آرام لینے کا موقع ملے تو یہ کام ہو سکے گا۔ لیکن افسوس کی بات یہ کہ فخر صاحب کا انتقال مارچ ۱۹۵۰ء میں ہوگیا انا للہ و انا الیہ راجعون اور یہ کتاب غائب ہوگئی اور میں نے گیا جا کر تلاش کی لیکن یہ کتاب نہیں مل سکی۔

مولانا سہول صاحب مرحوم بھاگلپوری سے تعلق: یہ پورینی (ضلع بھاگلپور کے رہنے والے تھے) بہت بڑے عالم تھے یہ اس جماعت کے فرد تھے جو بھاگلپور سے ریاست ٹونک پیدل گئی تھی اور سال بھر میں یہ لوگ وہاں پہنچے تھے اس زمانہ میں مولانا حکیم برکات احمد صاحب منطق اور فلسفہ پڑھانے میں پورے ملک میں مشہور تھے اور لوگوں کو فلسفہ اور منطق کی تعلیم سے بے حد دلچسپی تھی۔ دور دور سے لوگ ان سے پڑھنے جاتے ذریعہ سفر نہ ہونے کی وجہ سے پیدل ہی لوگ وہاں جاتے تھے اسی جماعت میں مولانا اقبال صاحب بھی تھے جو میرے زمانہ میں مدرسہ شمس الہدیٰ میں منطق اور فلسفہ کے استاذ تھے مجھے فخر ہے کہ میں نے منطق کی کتاب ''شرح تہذیب'' ان سے پڑھی اور اس قدر دل لگا کر کہ ساتھی کہتے کہ یہ تو تمہارا خاص مضمون بن گیا ہے۔

مولانا سہول صاحب کی آخری تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی اور وہیں سے فاضل حدیث کی ڈگری حاصل کی۔ اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے وہ دارالعلوم دیوبند میں مفتی اعظم کے عہدہ پر رہے اور شاہجہاں پور کے مدرسہ میں مدرس اول رہے ان کے زمانہ میں ایک صاحب جو فاضل

دیوبند تھے اور اس مدرسہ میں منشی کے عہدہ پر کام کرتے تھے اور یہی حضرت وہاں سے دہلی چلے گئے تو کچھ دنوں کے بعد اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی بنا پر حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ مفتی اعظم ہند ہو گئے یہ واقعہ مولانا سہول نے اپنے گھر پر مجھے ۱۹۴۵ء میں مزاحیہ انداز میں کہی کہ بہار تو قابل لوگوں کا مقبرہ ہے دیکھو منشی جی دہلی گئے تو کیا سے کیا بن گئے اور میں وہی سہول کا سہول رہا۔

حضرت لطیفیؒ مولانا سہول کے مدرسہ میں مشکوٰۃ تبرکاً شروع کرانے گئے:

یہ ایک تاریخی اور اہم واقعہ ہے۔ مولانا سہول نے اپنے یہاں ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور جب اس مدرسہ میں ترقی ہوئی اور حدیث کی کتاب مشکوٰۃ شریف (یہ کتاب دورۂ حدیث سے ایک سال پہلے پڑھائی جاتی ہے) شروع کرانے کا موقع آیا تو دستور کے مطابق کسی بڑے اور اہم عالم سے تبرکاً شروع کرانے کے لئے حضرت لطیفیؒ کو بلا کر یہ کتاب ان سے شروع کرائی۔ یہ بات بڑی اہم اس لئے کہ مولانا سہول صاحب فاضل دیوبند اور ایک بڑے پایہ کے عالم تھے اور حضرت لطیفیؒ دیوبند کے فاضل نہیں تھے۔ اس لئے ان سے کتاب شروع کرانا ایک اہم واقعہ ہے اس سے حضرت لطیفیؒ کی اعلیٰ ترین قابلیت کا پتہ چلتا ہے ساتھ ہی ان کا مولانا سہول سے شدید دلی تعلق کا بھی پتہ چلتا ہے۔

مولانا سہول کے مدرسہ میں امتحان لینے کے لئے جاتے رہنا: صرف یہ ایک واقعہ نہیں کہ حضرت لطیفیؒ نے مشکوٰۃ شروع کرا دی اور بس ہو گیا بلکہ حضرت لطیفیؒ مولانا سہول کے مدرسہ میں ایک زمانہ تک ان کی دعوت پر ہر سال سالانہ امتحان لینے تشریف لے جاتے تھے یہ بات مجھے دیوبند میں مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ دارالعلوم دیوبند نے بتائی کہ: میں سات برس تک پورینی کے مدرسہ میں مدرس رہا، وہاں سالانہ امتحان لینے حضرت مولانا لطیفیؒ آتے تھے اور وہاں میرے ہی کمرہ میں رہا کرتے تھے ان سے بہت سی باتیں ہوتی تھیں ہم لوگوں کے خیالات میں کوئی خاص فرق نہیں تھا بس سماع بالمزامیر (باجوں کے ساتھ جو قوالی سننا) اور بعض خانقاہی رسموں میں اور حضرت لطیفیؒ اس پر اصرار نہیں کرتے تھے بلکہ

معذرت خواہانہ انداز میں کہتے کیا کریں پیر کی وجہ سے لت لگ گئی۔

ان واقعات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ علمائے دیوبند سے ان کے تعلقات کتنے شدید اور مخلصانہ تھے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سہول صاحب کے متعلق کچھ اور باتیں لکھ دوں کچھ تو پہلے لکھ آیا مولانا سہول صاحب دیوبند اور شاہجہاں پور کے بعد مدرسہ شمس الہدیٰ میں بحیثیت پرنسپل بحال رہے اور دسمبر ۱۹۳۴ء میں ریٹائرڈ ہوئے اور جنوری ۱۹۳۵ء میں مدرسہ شمس الہدیٰ میں داخل ہوا۔ پھر وہ آسام کے کسی بڑے مدرسہ میں شیخ الحدیث رہے اور ۱۹۴۵ء میں ان دنوں گھر یا فارغ زندگی گذار رہے تھے۔

مولانا سہول سے حضرت لطیفیؒ کے تعلقات کیسے: افسوس کہ پورنی میں مولانا سہول صاحب سے یہ بات میں نے دریافت نہیں کی کبھی سوچا کہ مولانا سہول شاہجہاں پور میں مدرس اول تھے اور حضرت لطیفیؒ کے دو مرید اکبر علی خاں، منصور عالی خاں شاہجہاپور کے تھے شاید شاہجہاں پور کے سفر میں دونوں کی ملاقات ہوئی ہو، کبھی سوچا کہ مولانا سہول شاگرد ہوں مگر یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آئی اس لئے کہ مولانا سہول کی تعلیم ٹونک میں ہوئی اور آخری تعلیم دیوبند میں ہوئی۔

مگر ایک واقعہ: وہ یہ کہ ۱۹۴۵ء کی بات ہے کہ میں جمگاؤں گیا تھا وہاں میری سوتیلی بہن حسنیٰ مرحومہ کی خالہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے مجھے بتایا کہ تمہارے دادا مولانا حفیظ الدین صاحب بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے اور کچھ دنوں تک ہمارے یہاں پڑھاتے رہے تھے بچوں سے بہت پیار کرتے، میں چھوٹی سی تھی ہم کو گود میں بٹھاتے اور کھیلتے تھے۔ یہ بات ہمارے اطراف میں میرے سوا کسی اور کو معلوم نہیں میں جمگاؤں دارالعلوم دیوبند جاتے ہوئے راہ میں اترا تھا قریب ۶ دن وہاں رہ کر دیوبند چلا گیا ایک مدت کے بعد گھر آیا اور وہ بات بھول گیا کسی سے تذکرہ نہیں کیا۔ اس طرح اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت

لطیفی کا تعلق مولانا سہول سے ہوا ہوگا۔اس لئے کہ جمگاؤں سے بالکل قریب پوریٰنی ہے دونوں گاؤں کے سرے اس قدر ایک دوسرے سے قریب ہیں کہ صرف ۲-۳ پلاٹ درمیان میں حائل ہیں۔

حضرت مخدوم شرف الہدیٰؒ: نامناسب نہ ہوگا بلکہ ضروری ہے کہ حضرت مخدوم شرف الہدیٰؒ جو حضرت لطیفی کے منجھلے صاحبزادہ تھے اور حضرت امام مظفرؒ جن کا انتقال حضرت لطیفی کے انتقال کے ڈھائی ماہ بعد ہی ہوگیا تو حضرت مخدوم صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ان کی تعلیم حضرت لطیفی کے انتقال سے پہلے درجہ عالم تک ہوچکی تھی صرف دورۂ حدیث باقی تھا اور یہ ۶۱ سال تک سجادہ نشین رہے اور ۱۹۷۴ء میں انتقال کیا اس لئے صاحبزادوں میں امام صاحب کے بعد یہی حضرت لطیفی کے مسلک سے واقف تھے۔انہوں نے کچھ اہم باتیں مجھے بتائی ہیں ان سے حضرت لطیفی کے مسلک کا پتہ لگتا ہے۔جب میں پڑھنے کے لئے پٹنہ ۱۹۳۵ء میں جارہا تھا تو بتایا کہ تمہارے دادا نے بڑی مشقتیں برداشت کرکے بڑی محنت سے تعلیم حاصل کی تھی تم بھی محنت سے پڑھو گے۔ایک زمانہ میں تمہارے دادا دہلی میں تھے تو رات کو کھانے کے لئے ان کو ۲ مکئی کے بھٹے ملتے تھے وہی کھا کر پانی پی لیتے اور رات کو دیر تک پڑھنے کے لئے یہ کرتے تھے کہ چھت کی کڑی سے ایک ڈوری لٹکا لیتے اور اپنی زلف سے باندھ کر پڑھنے بیٹھتے اور جب نیند آنے لگتی اور سر نیچا ہوتا تو بالوں میں جھٹکا لگتا درد ہوتا تو چونک کر جاگ جاتے۔گھر سے اس طرح غائب ہوئے تھے کہ گھر والوں کو خبر تک نہ تھی کوئی یار مددگار نہ تھا غریبی کی زندگی بسر کرتے اور روکھا سوکھا کھا کر سخت محنت سے پڑھتے تھے۔یہ بات تو عبرت کے لئے لکھ دی تاکہ لڑکے اس سے نصیحت حاصل کریں۔اہم بات والد صاحب نے یہ بتائی کہ تمہارے دادا مولانا نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے اور ان ہی سے حدیث کی آخری کتابیں دورۂ حدیث کی پڑھیں خود حنفی گھرانے کے تھے اس لئے ان کا مسلک بہت وسیع تھا ان کے اندر تعصب نہیں تھا۔

مولانا ظفیر الدین صاحب شاگرد مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی کی تائید: ایک واقعہ جو میری ڈائری میں درج ہے وہ نقل کر رہا ہوں۔بات ۷ امئی ۱۹۴۳ء کی ہے

مولانا ظفیر الدین صاحب ہمارے گھر سے پچھم گاؤں مولنا پور کے جلسہ میں شرکت کے لئے آئے تھے اس سے پہلے بھی ہمارے یہاں آچکے تھے اور میں ہی ان کی میزبانی کا ذمہ دار تھا اور جب میں مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ پڑھنے کے لئے گیا تھا تو میرے پھوپھا جو خود اس مدرسہ کے فاضل تھے مجھے داخل کرانے لے گئے تھے تو میرا قیام محلہ شاہ گنج میں ہوا جہاں مولانا ظفیر الدین کا ذاتی مکان تھا۔ آنے جانے میں ان کا گھر راہ میں پڑتا تھا ان سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں ان سے میرے اچھے تعلقات تھے۔ مولوی وصی الدین صاحب ان کے شاگرد تھے اور مولانا سہول کے بھی شاگرد تھے جو کہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل تھے اور سب سے اونچے درجے کی کتابیں پڑھاتے اور مولانا ظفر الدین اسسٹنٹ ٹیچر تھے۔ غرض یہ کہ مولانا ظفر الدین صاحب سولنا پور سے رحمٰن پور آئے اور والد صاحب سے ملے ان دنوں میں دیوبند میں دو سال رہ کر کچھ دنوں کے لئے گھر پر رہ گیا تھا اور مدرسہ لطیفیہ کا ناظم تھا۔ والد صاحب اور مجھ سے وہ باتیں کرتے رہے ان کو معلوم تھا کہ میں دار العلوم دیوبند میں پڑھ رہا ہوں تو اس سلسلہ میں بھی بات ہوئی اور جو باتیں ہوئیں وہ میری ڈائری میں درج ہیں وہ یہ ہیں:

''۱۷ مئی ۱۹۴۳ء آج مولوی ظفر الدین مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ آئے مجھ سے کہا کہ تصنیف، افتاء، وعظ میں سے کسی چیز میں مہارت حاصل کیجئے۔ اثناء گفتگو میں کہا کہ جو شخص ہر خیال کے لوگوں سے تعلیم حاصل کرتا ہے وہ تعصب سے بلند ہو کر تحقیق حق کرتا ہے اور اس کی رائے صحیح ہوتی ہے اور یہ کہ میں مولانا اشرف علی کے شاگرد کا شاگرد ہوں اس لئے مجھے اور لوگوں کی بہ نسبت ان کے خیالات زیادہ معلوم ہیں۔ والد (حضرت مخدوم صاحبؒ) نے کہا کہ میرے والد (مولانا لطیفیؒ) مولانا نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد تھے جو پکے غیر مقلد تھے اس لئے ان میں تعصب نہیں تھا''۔

حضرت لطیفیؒ کا دیوبندیوں کو کفر کا فتویٰ دینے سے انکار: والد صاحب نے اپنی زندگی میں بارہا یہ واقعہ بتایا کہ، مولانا احمد رضا خانصاحب نے علمائے دیوبند کے کفر کا فتویٰ چھاپنے سے پہلے مختلف علماء سے اس فتویٰ پر دستخط کرانے کے لئے کاغذ بھیجا، مولانا لطیفیؒ چونکہ ملک کے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے اس لئے یہ فتویٰ کا مسودہ ان کے پاس بھی آیا انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں ان لوگوں کو کافر نہیں کہتا اور پھلواری خانقاہ والوں نے بھی کفر کا فتویٰ دینے سے انکار کیا۔

کٹر بریلوی سے بچنے کی نصیحت: دسمبر ۱۹۳۷ء کی بات ہے، میرے والد صاحب مجھے الہٰ آباد مدرسہ سبحانیہ میں داخل کرانے لے گئے وہاں مولوی عبدالرحمٰن صاحب کٹکی مدرس تھے۔ وہ سخت قسم کے بریلوی تھے، یہ سن کر والد صاحب فکر مند ہوئے اور اِدھر اُدھر جا کر مختلف مدرسین کے متعلق پتہ لگایا ان کو معلوم ہوا کہ مولوی حکیم نصرت صاحب معتدل خیال کے مدرس ہیں وہ دیوبند والوں کو کافر نہیں کہتے ہیں تو والد صاحب نے مجھے نصیحت کی کہ تم مولوی نصرت صاحب سے تعلق رکھو گے۔ مولانا حفیظ الدین نے علمائے دیوبند کو کفر کا فتویٰ دینے سے انکار کیا اور پھلواری شریف اور خیر آباد کے علماء نے بھی انکار کیا تھا میرے والد (حضرت لطیفیؒ) کا مسلک صلح کل تھا تم اس کا خیال رکھو گے۔

سب سے بڑی بات یہ کہ والد صاحب پوری زندگی میں دیوبندی بریلوی کے جھگڑے میں کبھی نہیں پڑے۔ ان کے سامنے کسی نے اس مسئلہ کو پیش کرنے کی ہمت ہی نہیں کی اور نہ ہی ان کو اس جھگڑے سے کوئی دلچسپی تھی، ایک واقعہ بیان کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا وہ یہ کہ مولوی عبدالواحد صاحب پنچگاچھی ضلع کٹیہار جب دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تو گاؤں کے لوگ جوان کی امامت میں عید کی نماز پڑھتے تھے اب کچھ لوگوں کے بھڑکانے پر شک میں مبتلا ہو گئے اور وہاں سے چند لوگوں کا ایک وفد والد صاحب (حضرت مخدوم صاحبؒ) کے پاس آیا اور اسی سلسلہ میں بات کی انہوں نے کہا کہ وہ مسلمان ہے [illegible] الم دین ہیں پھر ا[illegible] کے پیچھے

نماز کیوں نہیں پڑھیں گے، ظاہر ہے کہ والد صاحب کا یہ کہنا اپنے والد (حضرت لطیفیؒ) کے مسلک کے عین مطابق تھا۔ حضرت مخدوم صاحبؒ کی عمر حضرت لطیفیؒ کے انتقال کے وقت قریب ۲۳ سال تھی ان کی ۲ شادیاں یکے بعد دیگر ہو چکی تھیں اور ۳، بچے پیدا ہو کر انتقال کر چکے تھے اور ان کی تعلیم دورۂ حدیث سے ایک سال پہلے تک کی ہو چکی تھی۔

مولانا محمد عابد چندی پوری کا حال: حضرت لطیفیؒ کا تذکرہ ہو اور مولانا عابد کا ذکر نہ ہو تو یہ کہانی ادھوری رہ جائے گی۔ اس لئے کہ ان کے تمام خلیفوں اور شاگردوں میں اولیت ان ہی کو حاصل ہے، اس لئے کہ ان کا کوئی خلیفہ ایسا نہیں (سوائے حضرت امام مظفرؒ کے) جو شروع سے اخیر تک یعنی دورۂ حدیث تک ان کا شاگرد رہا ہو۔ اور پھر سہسرام سے کنہر یا تک اور پھر وہاں سے رحمٰن پور تک حضرت لطیفیؒ کے ساتھ رہا ہو اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد ان کے مدرسہ میں مدرس رہا ہو۔ یہاں تک کہ حضرت مخدوم صاحب کو پڑھایا بھی ہو یہی نہیں بلکہ وہ بے انتہا خلوص اور فرماں برداری کے ساتھ حضرت لطیفیؒ کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کر چکے تھے۔ اس کا اندازہ ایک واقعہ سے ہوتا ہے وہ یہ کہ اُس زمانہ میں سپٹک لیٹرین نہیں ہوتے تھے۔ لیٹرین پختہ بنا ہوا تھا اور نیچے ایک بڑا سا کنٹر رکھ دیا جاتا تھا، ہفتہ میں ایک بار مہتر آتا صاف کر جاتا تھا۔ ایک دفعہ مہتر کے آنے میں کسی وجہ سے دیر ہوئی اور گندگی بہت ہوگئی تو رات کو حضرت لطیفیؒ نے کہا عابد میاں صبح کسی کو بھیج کر مہتر کو بلوا لو گندگی بہت ہوگئی ہے۔ صبح سویرے حضرت لطیفیؒ لیٹرین گئے تو اس کو صاف پایا فجر کی نماز کے بعد سب سے پوچھنا شروع کیا تو لوگوں نے کہا پتہ نہیں پھر مولانا عابد سے پوچھا کیا تم نے صاف کیا ہے تو وہ کچھ نہیں بولے چپ چاپ سر جھکائے کھڑے رہے مولانا لطیفیؒ سمجھ گئے اور کہا کہ ہم نے تم کو یہ تو نہیں کہا تھا ایک اور بات یہ کہ میری دادی (اہلیہ حضرت لطیفیؒ) نے بتایا کہ حضرت لطیفیؒ نے ہم سے کہا تھا کہ ہم نے عابد پر بہت محنت کی ہے وہ میرا در کبھی نہیں چھوڑے گا۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ دادی جان کی زندگی میں مولانا عابد صاحب ایک گھڑا شہد اور ایک گھڑا خالص گھی دادی کو بھیجتے تھے اور عرس میں برابر آتے اور ان

کی خدمت میں نذر بھیجتے تھے اور جب بھی رحمٰن پور سے گذرتے تو اتر کر فاتحہ پڑھتے اور نذر بھیجتے تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنے پیر کے گھرانے کے ہر فرد کا بڑا احترام کرتے تھے ایک دفعہ انہوں نے ایک خط میں میرا نام یوں لکھا ''مولانا شاہ فیاض عالم صاحب قبلہ'' جبکہ وہ میرے والدؒ کے استاذ تھے۔ دارالعلوم لطیفی کے قیام کے بعد افتتاح کے لئے انہوں نے اپنے دونوں پیر بھائیوں (حضرت مخدوم صاحب اور حضرت خواجہ صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ) کو بلایا۔ دونوں نے دوسرے مقامات میں جانے کا وعدہ کرلیا تھا تو مجھے نمائندہ بنا کر بھیجا ہیں ان دنوں مدرسہ الٰہیات سے فارغ ہوکر گھر میں بیٹھا تھا میں کٹیہار گیا۔

صبح میں حکیم عبدالغفار کے یہاں سے ناشتہ کر کے فقیر تکیہ مسجد گیا وہاں لوگ میرا انتظار کررہے تھے ممبر کے پاس مولانا محمد عابد صاحب اور ان کے پیر بھائی مولانا شرف الدین صاحب حفیظی حضرت لطیفیؒ کے خلیفہ بیٹھے تھے میں چپ چاپ مسجد کے اتر دروازہ سے مسجد میں داخل ہوا اور ایک کونے میں بیٹھ گیا کسی نے مجھے دیکھ لیا اور کہا شاہ فیاض عالم آگئے یہ سنتے ہی دونوں حضرات کھڑے ہوگئے اور مجھے اپنے پاس بلایا۔ میں نے کہا میں یہیں ٹھیک ہوں لیکن مولانا حضرات نے اصرار کر کے مجھ بلایا اور مجھے دونوں کے درمیان بیٹھنا پڑا میں جب بیٹھا تو وہ حضرات بھی بیٹھ گئے۔ میرا حال یہ تھا کہ میری داڑھی نہیں نکلی تھی مونچھیں ہلکی ہلکی تھیں اجنبی لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ یہ کمسن لڑکا کون ہے اور اس کی اتنی عزت افزائی کیوں ہو رہی ہے لیکن جاننے والے جانتے تھے کہ یہ حضرت مولانا حفیظ الدین کا پوتا ہے۔

اس کے بعد افتتاح کی کارروائی شروع ہوئی۔ تلاوت قرآن کے بعد چند لڑکے ''میزان'' (عربی قواعد کی پہلی کتاب) شروع کرنے کے لئے آئے۔ مولانا محمد عابد صاحبؒ نے مجھ سے کہا کہ آپ شروع کرائیے میں نے کہا آپ شروع کرائیے۔ انہوں نے پھر مجھ سے کہا میں نے کہا کہ آپ میرے والدؒ کے استاذ اور حضرت لطیفیؒ کے خلیفہ اور دارالعلوم لطیفی کے بانی ہیں آپ کے سامنے میں شروع کراؤں یہ نہیں ہوسکتا یہ تاریخی موقع ہے اس لئے آپ ہی کو

افتتاح کرنا چاہیئے غرض ان کے اصرار کے ساتھ میرا انکار بھی شدید ہوا تب مولانا محمد عابد صاحب مشرقی بانی دارالعلوم لطیفی نے دارالعلوم کا افتتاح کیا۔میزان شروع کرانے کے بعد بخاری شریف کی باری آئی اور وہ بھی شروع کرائی گئی اور دعاء پر افتتاحی تقریب ختم ہوئی۔اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا محمد عابد صاحب اپنے استاذ، پیرومرشد اور مربی حضرت لطیفی سے کس قدر دلی تعلق رکھتے تھے اور ان کی اولاد در اولاد کا بھی کتنا زیادہ احترام کرتے تھے ان ہی باتوں سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے پیرومرشد حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفی کے مسلک کو کتنی مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوں گے ساتھ ہی وہ حضرت لطیفی کے مسلک صلح کل کے حامی تھی جس کا ذکر مضمون کے شروع میں دیوان لطیفی کے حوالہ سے لکھ چکا ہوں اور دوسری کتابوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ اختلاف ومخالفت کو عذاب تصور کرتے تھے اور دوسرے واقعات وحالات سے یہ باتیں بتا چکا ہوں۔یہی وجہ ہے حضرت لطیفی کے شروع سے اخیر تک شاگرد رہے ان کی تربیت یافتہ سہسرام سے کنبر یا اور پھر اخیر میں رحمٰن پور تک ان کے ساتھ رہے مولانا محمد عابد صاحب نے دارالعلوم کے قیام کے وقت ایک بنیادی اصول اور پالیسی طے کی کہ دیوبندی، بریلوی سے بلند ہو کر خالص دینی تعلیم مدرسہ میں دی جائے گی جو ایک فرقہ سے متعصبانہ تعلق رکھتے تھے انہوں نے اس پالیسی پر اعتراض کیا لیکن مولانا محمد عابد صاحب اس موقف سے پیچھے نہیں ہٹے اور کیوں ہٹتے وہ تو اپنے پیرومرشد کے اصولوں پر دارالعلوم قائم کر رہے تھے جو ان کے تخلص کے ساتھ ان کی یادگار بھی ہے کیونکہ حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفی نہ تو دیوبند سے فارغ تھے اور بریلوی مدرسہ کا تو اس وقت وجود بھی نہیں تھا حضرت لطیفی ۱۸۲۰ء میں پیدا ہوئے اور احمد رضا خانصاحب ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے یعنی یہ حضرت لطیفیؒ سے ۳۶ برس چھوٹے تھے۔خانصاحب کسی مدرسہ سے فارغ نہیں تھے۔آدھی تعلیم حاصل کر کے ذہانت کے زور پر مطالعہ کیا اور ایک مدرسہ قائم کیا پھر بریلوی مسلک کے بانی بنے۔حضرت لطیفی خانصاحب کی پیدائش سے بہت پہلے فارغ ہوئے اور کئی کتابوں کے مصنف بن چکے تھے اس لئے ان کا

بریلوی ہوناوہم وگمان سے دور ہے۔

مولانا محمد عابد صاحب نے دارالعلوم لطیفی میں استادوں کی بحالی میں غیر جانبداری کا خیال رکھتے ہوئے دونوں طبقوں کے علماء کو بحال کیا تاکہ دونوں طبقوں مین میل ملاپ ہواور دارالعلوم سے جوطلبہ فارغ ہوں وہ فرقہ بندی سے الگ رہیں۔

دارالعلوم اور بحرالعلوم کا قضیہ:

کچھ لوگوں کودارالعلوم کی غیر جانبداری کا طریقہ پسند نہیں تھاوہ دارالعلوم کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے۔ان کو ایک تدبیر یہ سوجھی کہ چندی پور کا تعلق رحمٰن پورے سے اور رحمٰن پور کا تعلق بارگاہ عشق میتن گھاٹ سے ہے، ساتھ ہی یہ کہ حضرت شاہ لطیف علی رحمۃ اللہ علیہ مولانا حفیظ الدین کے پیر تھے اور پیر کی مناسبت سے ''لطیفی'' تخلص کرتے تھے ان دنوں حضرت شاہ حمیدالدین رحمۃ اللہ علیہ میتن گھاٹ خانقاہ کے گدی نشیں تھے ان کے پیر حضرت شاہ امجد حسین رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پیر حضرت شاہ لطیف علی تھے اس لئے ان حضرات نے حضرت شاہ حمیدالدین کوورغلا کر دارالعلوم لطیفی کے خلاف ان لوگوں کی تحریک کی سرپرستی کی درخواست کی اوران سے کہا کہ حضرت دودیوبندی مدرس دارالعلوم میں بحال کئے گئے ہیں اس کی مخالفت میں ہم الگ مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔آپ ہماری سرپرستی کیجئے۔حضرت شاہ حمیدالدینؒ نے پوچھا کہ مدرسہ کا نام کیا ہے بتایا گیا'' دارالعلوم لطیفی'' توانہوں نے فرمایا''لطیفی ہے نہ''؟ لوگوں نے کہا'' ہے'' تو پھر فرمایا یہ تو ہمارا ادارہ ہے اس میں اگر کوئی خرابی ہے تو ہم اس کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت شاہ حمیدالدین اور مولانا عابد:

یہ واقعہ کھوپرا گاؤں کا ہے یہ گاؤں ضلع کٹیہار کے اعظم نگر بلاک میں واقع ہے یہاں مولانا محمد عابد صاحب کے مرید کافی تعداد میں ہیں ایک ایسے ہی گھرانے میں ایک خاتون دوسرے گاؤں، بالوگنج کی تھیں یہ بھی مولانا عابد صاحب سے مرید تھیں لیکن ان کے بھائی

میتن گھاٹ سے مرید تھے اور اس زمانہ میں دارالعلوم کے خلاف کچھ لوگ تحریک چلا رہے تھے اس خاتون کے بھائی نے اپنی بہن کو سمجھا بجھا کر اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ حضرت شاہ حمیدالدین صاحب سجادہ نشین، میتن گھاٹ سے مرید ہو جائیں۔ شاہ صاحب کھوپڑا تشریف لئے گئے۔ مولانا عابد صاحب کے مریدوں نے عزت واحترام کے ساتھ ان کو رکھا ان کی میزبانی کی ان سے کہا گیا کہ اندر ایک خاتون آپ سے مرید ہونا چاہتی ہیں، وہ اندر تشریف لے گئے کمرے میں پردے کے پیچھے وہ خاتون تھیں دروازہ سے باہر برآمدہ میں شاہ صاحب۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا ارادہ ہے۔ اس درمیان آنگن کے لوگ اپنی زبان میں بولنے لگے کہ یہ تو مولانا عابد صاحب سے مرید ہو چکی ہیں یہ بات شاہ صاحب کے کان میں پڑی اور وہ سمجھ گئے کہ کوئی بات ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے تب ان کو صاف صاف بتایا کہ وہ مولانا عابد صاحب سے مرید ہو چکی ہیں۔ تب شاہ صاحب نے کہا کہ اس سے پوچھو کہ وہ جب مرید ہو چکی ہے تو دوبارہ پھر کیوں مرید ہونا چاہتی ہے تب بھائی نے بہن سے پوچھ کر بتایا کہ مولانا چندی پوری کو لوگ خراب کہتے ہیں۔ تب شاہ صاحب یہ سن کر ناراض ہوئے اور مرید کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ جو وہ ہیں وہی ہم ہیں ان کو خراب کہنے والے خود خراب ہیں وہاں سے غصہ میں باہر آئے یہاں لوگوں کا مجمع تھا لوگوں کے سامنے شاہ صاحب نے فرمایا: مولانا عابد وہ ہیں جو اپنے پاؤں پر کھڑے ہیں، ہم تو دوسرے کے سائے میں کھڑے ہیں۔

یہ واقعہ ان لوگوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے جو میتن گھاٹ سے تعلق رکھتے ہیں اور مولانا عابد صاحب کو برا کہتے ہیں۔

خواجہ شاہد حسین اور مولانا محمد عابد صاحب: (شاہ درگاہی) اپنے والد کے انتقال کے بعد بارگاہِ عشق خانقاہ میتن گھاٹ کے سجادہ نشین ہوئے ان کی عمر اس وقت ۱۶ یا ۱۷ سال ہوگی۔ تعلیم گلستاں بوستاں (فارسی)، میزان منشعب (عربی قواعد کی پہلی کتاب) تک تھی اس کے بعد تعلیم بند ہوگئی۔ وہ سجادہ نشین ہو کر جب پورنیہ (ابھی کا پورنیہ ڈویژن جو کٹیہار، کشن گنج،

ارر یہ اور صدر ضلعوں میں مشتمل ہے) آئے تو یہ لوگ جو دارالعلوم کے مخالف تھے موقع غنیمت جان کران سے ملے اوران کوشیشہ میں اتارا کمسنی میں نا تجربہ کاری کی وجہ سے وہ ان لوگوں کے پھندے میں پھنس گئے اس طرح شاہ درگاہی کی سرپرستی میں دارالعلوم کی مخالفت کو طاقت ملی اور برسوں یہ قصہ چلا۔ بحرالعلوم والے دارالعلوم والوں کو کافر وہابی وغیرہ کہہ کر دارالعلوم کو چندہ دینے سے منع کرتے تھے۔ مولانا عابد اپنے حلقہ میں جاتے ان کے سامے یہ قضیے پیش ہوئے تو وہ کہتے بحرالعلوم بھی مدرسہ ہے آپ لوگ اس میں بھی چندہ دیجئے دارالعلوم کو بھی دیجئے اسی کشمکش میں برسوں بیت گئے۔ اکثر چندہ دینے والے دو گروپوں میں بٹ گئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۸ء میں مولانا محمد عابد صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

درگاہی میاں کی صلح کی پیشکش: مولانا عابد صاحبؒ کے انتقال کے بعد شاہ درگاہی ایک سفر کے دوران سیتلپور پہنچے (یہ بستی رحمن پور سے پورب قریب ہی ہے) اور مجھے وہاں بلایا۔ ایک کمرہ میں شاہ صاحب تھے اور وہاں کے شرف الحق سرکار اور میرے ساتھ میرے پڑوسی اور دوست جلال الدین خان جو شاہ صاحب کے پیر بھائی تھے موجود تھے باقی لوگوں کو کمرے سے باہر کردیا گیا تب شاہ صاحب نے مجھ سے کہا کہ دارالعلوم کے بانی مولانا عابد صاحب حضرت لطیفیؒ کے خلیفہ اور حضرت لطیفیؒ حضرت شاہ لطیف علی کے خلیفہ ہم سب تو ایک ہی ہیں میری خواہش ہے کہ دارالعلوم بحرالعلوم کا جھگڑا ختم ہو ایک جلسہ بلایا جائے اور ہم لوگ مل کر اعلان کریں کہ ہم سب ایک ہیں۔

میں نے اس کے جواب میں کہا کہ خیال اچھا ہے بڑی اچھی بات ہے لیکن ایک مشکل یہ ہے کہ مولانا عابد صاحب کئی سال پہلے انتقال کر چکے ہیں ان سے اگر کسی بات سے توبہ کرانا ہو تو اب اس کے لئے وہ موجود نہیں اس لئے یہ بات ناممکن ہے اس پر وہ کچھ دیر چپ رہے میں نے کہا کہ جھگڑے کی بنیاد یہ ہے کہ مولانا عابد صاحب علمائے دیوبند کو کافر نہیں کہتے تھے اسی لئے وہ دیوبندی مولویوں کو دارالعلوم لطیفی میں مدرس رکھا ہے۔ اب آپ بتائیے کہ آپ کے بزرگوں

میں سے کس کس نے دیوبند کے علماء کے کفر کا فتویٰ دیا ہے؟ اس پر شاہ شاہد حسین عرف درگاہی میاں نے فوراً کہا کہ ہم اہل طریقت ہیں ہم لوگوں کو اس جھگڑے سے کوئی مطلب نہیں ہمارے کسی بزرگ نے علماء دیوبند کے کفر کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔

پھر میں نے کہا کہ ہمارے دادا نے بھی ان حضرات کو کفر کا فتویٰ دینے سے انکار کیا تھا اس لئے میں، میرے باپ دادا اور آپ کے باپ دادا سب کے سب بریلویوں کے نزدیک کافر ہیں اس پر وہ ہنسنے لگے اور مجھ سے کہا کہ آپ دارالعلوم جا کر مولانا شہاب الدین بن مولانا عابد صاحب سے ملاقات کر کے ان سے کہئے اور صلح کے لئے سلسلہ شروع کیجئے۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ایک مدت تک اختلاف کرنے کے بعد صلح کے لئے آمادہ ہونے کی وجہ کیا ہے یقینی بات یہ ہے کہ غور اور تجربہ کے بعد ان کی سمجھ میں یہ بات آئی یہ جھگڑا دراصل مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہے۔ دارالعلوم دیوبند والے انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں کانگریس کے ساتھ مل کر جدوجہد کرتے رہے تھے۔ اور وہاں کے دو فارغ دارالعلوم لطیفی میں مدرس رکھے گئے تھے اور بحرالعلوم کے کرتا دھرتا مسلم لیگی تھے اور کانگریس کے دشمن پبلک ہمارے علاقہ کی سیاست سے عام طور پر ناآشنا تھی اس لئے مذہب کے نام پر ایک جھگڑا کھڑا کر دیا گیا۔

غرض شاہ درگاہی سے بات چیت کے بعد میں دارالعلوم لطیفی گیا اور مولوی شہاب الدین، مولوی منور، مولوی عبدالرزاق کے سامنے میں نے شاہ درگاہی کی تجویز رکھی ان سب نے کہا کہ ہم لوگ جھگڑا کر ہی نہیں رہے ہیں جھگڑا تو بح... والے کر رہے ہیں۔ ہم لوگ ہر وقت صلح کے لئے آمادہ ہیں۔ میں گھر آ کر شاہ درگاہی کی بات کا انتظار کرنے لگا۔ مگر پھر درگاہی میاں نے کبھی مجھ سے اس کے متعلق نہیں پوچھا اور بے پوچھے میں نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ معلوم نہیں کیا رکاوٹ ہوگئی اب ان واقعات کے بعد میتن گھاٹ کے متوسلین کا دارالعلوم لطیفی یا مولانا عابد صاحب کی مخالفت نادانی اور ہٹ دھرمی ہی سمجھی جائے گی۔

حضرت مخدوم شرف الہدیٰ اور مولانا عابد صاحب: جب مولانا عابد

صاحب اور دار العلوم کا قصہ چھڑ گیا ہے تو اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ایک واقعہ ہے۔ ۱۹۵۲ء کی بات ہے ان دنوں میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کالج، دہلی میں پڑھتا تھا گرمی کی چھٹیوں کا زمانہ تھا میں گھر پر تھا، بحر العلوم کی ایک میٹنگ خلاف معمول خانقاہ رحمٰن پور میں رکھی گئی غالبًا یہ مجلس شوری کی میٹنگ تھی اس کے لئے والد صاحب (حضرت مخدوم صاحبؒ) سے اجازت مانگی تو انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ رمضان کی چھٹی مدرسہ میں ہوگئی ہے یہاں سناٹا ہے ہم اس کے لئے کوئی انتظام نہیں کر سکتے تو شرف الحق سرکار سیتلپوری نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں سارا انتظام ہم لوگ کریں گے صرف اجازت اور جگہ چاہتے ہیں تب انہوں نے اجازت دیدی اس کے بعد ان سے شرکت کی درخواست کی گئی تو انہوں نے کہا کہ میں آج کل شادی کے انتظام میں مصروف ہوں موقع نہیں ہے تب ان لوگوں کے اصرار پر انہوں نے ۹ بجے سے ۱۱ بجے دن تک ۲ گھنٹے شرکت کا وعدہ کرلیا۔

میٹنگ کے روز لوگ آ گئے مگر درگاہی میاں کا پتہ نہیں لوگ انتظار کرنے لگے والد صاحب کو کندیلہ جانا تھا پہلے ہی سے دعوت تھی ۱۱ بج کر ۳-۴ منٹ ہو گئے تو چند لوگوں کو بلا کر کہا کہ کیا بجا ہے لوگوں نے بتایا تب انہوں نے کہا کہ میرا شریک ہونے کا وقت جس کا وعدہ تھا ختم ہو چکا ہے اب ہم کندیلہ جا رہے ہیں وہ چلے گئے ظہر بعد واپس ہو کر وہ سنار کے پاس بیٹھ گئے وہ زیور بنا رہا تھا میرے چھوٹے بھائی چراغ عالم کی شادی کے لئے۔ مسجد میں کافی لوگ جمع تھے اور یہ خبر آئی کہ درگاہی میاں اب مغرب تک سیتلپور آئیں گے اور وہیں میٹنگ ہوگی، مخدوم صاحب خواجہ صاحب بھی وہاں آئیں۔ تب میٹنگ کے اہم لوگوں نے مشورہ کر کے ۵ آدمی کو نمائندہ بنا کر حضرت مخدوم صاحبؒ کے پاس بھیجا۔

وفد نے ان سے پوچھا کہ ہم لوگ مولانا عابد صاحب کے خلاف تحریک چلانا چاہتے ہیں آپ ہم لوگوں کا ساتھ دیں گے یا نہیں۔ انہوں نے اطمینان سے وفد کی باتیں سنیں اور کہا کہ ''مولانا محمد عابد صاحب میرے استاذ ہیں اور میرا تعلق ان سے ایسا ہی رہے گا جیسا کہ ایک

شاگرد کا اپنے استاذ سے ہونا چاہیئے''۔ یہ بات انہوں نے بڑی مضبوطی اور ٹھہراؤ کے ساتھ کہی اور چپ ہو گئے۔ پھر ان لوگوں کو کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی۔

بعد مغرب جناب خواجہ وحید اصغر صاحب سیتلپور گئے لیکن والد صاحب نہیں گئے دوسری صبح جلال الدین خاں شاہ درگاہی کا پیغام لے کر آئے کہ آپ رات میٹنگ میں نہیں گئے درگاہی میاں آپ کو سمجھانے کے لئے یہاں آنا چاہتے ہیں۔ اس پر والد صاحب نے کہا کہ جلال خاں تم ہم کو بچپن سے جانتے ہو میرا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔ درگاہی میاں آئیں خوش آمدید ہم ان کا استقبال کریں گے لیکن وہ یہ سمجھ کر آنا چاہتے ہیں تو آئیں کہ ہم ان کی یہ بات نہیں مانیں گے یہ خبر ملی تو درگاہی میاں نہیں آئے۔

چچا جان جناب خواجہ وحید اصغر صاحب کی چند اہم باتیں:

(۱) ترکی میں اسلامی خلافت کا مرکز تھا سلطان عبدالحمید خلیفہ وقت امیر المومنین سے انگریزوں نے خلافت کا خاتمہ کر دیا تھا ظاہر ہے عالم اسلام میں سخت غیظ وغضب پھیلا خاص کر ہندستان میں خلافت کمیٹی بنی۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی اس کے سربراہ تھے اور مولانا محمد علی جوہر مولانا آزاد وغیرہ وغیرہ اس کے لیڈر گاندھی جی نے بھی اس تحریک کی حمایت کی تھی۔ ہمارے علاقہ میں بھی خلافت کمیٹی کے جلسہ جلوس کا سلسلہ رہا جس کی تفصیل تو مجھے معلوم نہیں چچا صاحب نے بتایا کہ ہم لوگ جلوس میں جاتے تھے تو ترانہ گاتے تھے:

آن والے مولوی کیا شان والے مولوی
مولوی محمود حسن عرفان والے مولوی

اس تحریک میں مولانا محمد علی جوہر مولانا شوکت علی گوہر کی والدہ بھی جوش جہاد میں نکل پڑی ہوئیں اس سلسلہ کی ایک نظم کا ٹکڑا چچا جان نے گا کر سنایا ؎

بولیں اماں محمد علیک کی جان بیٹا خلافت پہ دیدو

اور ترانہ کی ایک کاپی بھی میں نے گھر میں دیکھی تھی بچپن کا زمانہ تھا افسوس کہ وہ محفوظ نہیں۔

(۲) ایک موقع پر مختلف باتوں کا تذکرہ ہو رہا تھا چچا جان نے کہا: والد صاحب (حضرت لطیفیؒ) فرماتے تھے مولوی احمد رضا خاں بکّو مولوی ہیں۔ بہاری زبان میں ''بکّو'' کہا جاتا ہے اہل زبان بکواس کرنے والا کہتے ہیں (یعنی بک بک، فضول باتیں کرنے والا فیروز اللغات)۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کی ایک بات اور اہم ہے وہ یہ کہ ان کا بڑا لڑکا شمس العالم ایک زمانہ میں نوعمری میں پڑھائی چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھٹکتا تھا، کہیں دکان داری شروع کر دی میں ایک دفعہ جامعہ کالج جانے لگا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ شمس العالم کو لے جاؤ اور دلی جا کر اپنا داخلہ کرا کے شمس العالم کو دارالعلوم دیوبند میں داخل کرا دینا، چنانچہ اس کو ساتھ لے گیا، لیکن اس کا دل جامعہ میں لگ گیا تو وہیں اسکول میں داخل کرا دیا۔

مولانا وصی الدین صاحب داماد حضرت لطیفیؒ: یہ سب سے چھوٹے داماد تھے رحمٰن پور کے پاس قریبی گاؤں سیتلپور کے رہنے والے مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں تعلیم پاتے تھے پھر مدرسہ شمس الہدیٰ سے فاضل کی ڈگری حاصل کی یہ اس خوش قسمت جماعت کے ایک فرد تھے جو پہلی دفعہ مدرسہ شمس الہدیٰ سے فارغ ہوا۔ ان دنوں مولانا سہول صاحب پورینی بھاگلپور والے پرنسپل تھے، میں نے ۱۹۳۳ء میں چند ماہ ان سے ہدایۃ النحو وغیرہ کتابیں پڑھی تھیں اور پھر ۱۹۵۴ء میں جب میں مدرسہ لطیفیہ کا ناظم و مدرس ہوا تو یہ اس مدرسہ میں پہلے بھی پڑھاتے رہے تھے لیکن دو ایک سال سے الگ ہو چکے تھے میں نے دوبارہ مدرسہ میں تعلیم دینے کے لئے بلایا وہ اس مدرسہ میں برسوں تک پڑھاتے رہے اور ان سے برابر باتیں ہوتی رہتی ہیں لیکن کبھی بھی دیوبندی بریلوی اختلافات کا تذکرہ نہیں ہوا۔ بعد کو بڑھاپے میں وہ مدرسہ سے الگ ہو گئے اور ان کا لڑکا مولوی ابوالبرکات ان کی جگہ مدرس ہوا یہ مدرسہ نعیمیہ مراد آباد کا فارغ تھا اور اس سے پہلے مولوی شمس العالم بن جناب خواجہ وحید اصغر، جو اسی مدرسہ سے فارغ ہوا تھا میں نے اس کو مدرسہ لطیفیہ میں پڑھانے کے لئے بحال کیا تھا اور میرے اخیر دور تک پڑھاتا رہا۔

مولانا وصی الدین صاحب ان دنوں جب ہماری خانقاہ میں گدی نشینی کے سلسلہ میں

مقدمات چل رہے تھے ان دنوں مولانا وصی الدین صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی ظہور الاقلیم صاحب میری طرفداری کر رہے تھے۔ اس جھگڑے میں ثالثی بھی ہوئی تھی تو مولانا وصی الدین صاحب میری طرف سے ثالث تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم کٹر بریلوی اور کٹر دیوبندی دونوں سے چڑھتے ہیں۔ اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا لطیفیؒ دونوں پارٹیوں سے الگ تھے۔

لکھنؤ والوں سے حضرت لطیفیؒ کے تعلقات: اب اخیر میں بہت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لکھنؤ کے ایک خانوادہ کا تذکرہ کیا جائے جس سے حضرت لطیفیؒ کا اور ان حضرات کا حضرت لطیفیؒ سے نہایت مخلصانہ تعلق تھا۔

اس خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ احسان اللہ بغداد شریف سے ہندستان تشریف لائے یہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے، ان کے لڑکے شاہ عزیز اللہؒ حضرت شاہ عبدالعزیز (بن شاہ ولی اللہ دہلوی) کے شاگرد تھے، ان کا تقویٰ اور علمی مقام اتنا بلند تھا کہ ان کو شاہ عبدالعزیز ثانی کہا جاتا تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جب ہند میں انگریزوں کا عمل دخل شروع ہوا تو ہند کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا اور جہاد کی تحریک شروع ہوئی اور حضرت سید احمد شہید اس کے امیر قرار پائے جہاد کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر امیر سید احمد اور ان کے رفقاء کی شہادت پر یہ تحریک ختم ہوگئی، اس میں شاہ عزیز اللہ صاحب بچ گئے لیکن ان کی تین انگلیاں کٹ گئی تھیں اور پھر مجاہدین جو بچ گئے تھے ان کے اہم لیڈروں کی تلاش انگریزوں نے شروع کی گرفتاری سے بچنے کے لئے یہ حضرات روپوش ہوگئے۔ اس سلسلہ میں حضرت شاہ عزیز اللہ لکھنوی پورنیہ کی طرف آ گئے (ان دنوں ضلع پورنیہ بڑا ضلع تھا، اب ۴ ضلعوں میں بٹ گیا ہے، صدر پورنیہ، کٹیہار، کشن گنج، اررِیہ) جہادی تحریک کی یہ کڑی مئی ۱۸۳۱ء کو ختم ہوگئی اس کے بعد شاہ عزیز اللہ صاحب کا آنا پورنیہ کی طرف ہوا یہاں جہالت بہت پھیلی ہوئی تھی یہ حضرت تبلیغ و تعلیم میں

مصروف ہو گئے۔ حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ قریب ۱۲ سال سہسرام کے مدرسہ میں ناظم اور مدرس اول رہ کر ۱۸۹۳ء میں اپنے وطن کنہر یا تھانہ اعظم نگر ضلع پورنیہ تشریف لائے یعنی ان کے پورنیہ آنے سے قریب ۶۰ سال پہلے سے شاہ عزیز اللہ اوران کے بعدان کی اولاد تبلیغ وتعلیم میں مصروف تھی یعنی ان کے بعد مولانا سید شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ ان کے بعدان کے صاحبزادگان شاہ قمرالدین، شاہ قطب الدینؒ اور حضرت مولانا شاہ نجم الدین وغیرہ نے تبلیغ کے ساتھ رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا مجھے یہ نہیں معلوم کہ حضرت لطیفیؒ کی تشریف لانے کے وقت کون صاحب اس علاقہ میں آتے تھے۔

مطلب یہ کہ لکھنؤ کے اس گھرانے سے حضرت لطیفیؒ کا بہت گہرا مخلصانہ تعلق تھا دونوں ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ میرا قیاس ہے کہ حضرت شاہ عزیز اللہ لکھنوی کے پورنیہ آنے اور حضرت لطیفیؒ کے پورنیہ آنے میں قریب ساٹھ سال کا فرق ہے اس لئے گمان غالب ہے کہ حضرت لطیفیؒ کے آنے کے زمانہ میں شاہ عزیز اللہ کے صاحبزادے سید شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ ہوگا۔ ان کے صاحبزادوں شاہ قمرالدین کو بچپن میں ایک دفعہ میں نے دیکھا اور دوسرے صاحبزادے شاہ نجم الدین کو تو اپنی جوانی کے زمانہ تک دیکھا اکثر ملاقاتیں لکھنؤ اور رحمٰن پور میں ان سے ہوتی رہیں اوران کے صاحبزادے مولانا حفیظ الدین ندوی میرے نہایت مخلص دوست تھے۔ مجھے معلوم ہے کہ ان حضرات نے لوگوں کو نمازی بنانے کے لئے جمعہ کی نماز پر زور دیا اور دیہاتوں میں جمعہ کی نماز قائم کی اور ہندوانہ رسموں کے خلاف جو مسلمانوں میں سرایت کر گئی تھیں مشترکہ جدوجہد کی۔ مندرجہ بالا بیان سے یہ بات صاف ہو چکی کہ یہ لکھنوی حضرات نہ دیوبند سے تعلق رکھتے تھے نہ بریلی سے بلکہ ان کے مورث اعلیٰ ولی اللّٰہی مدرسہ کے فارغ تھے اور حضرت لطیفیؒ بھی دہلی سے فارغ ہوئے تھے۔ غرض حضرت لطیفیؒ اوران حضرات کے تعلقات بہت گہرے تھے کچھ واقعات جن سے تعلقات کی شدت کا پتہ چلتا ہے بیان کرتا ہوں۔

رحمٰن پور کے قریب تمام بڑے لوگ لکھنؤ والوں سے مرید تھے اوران حضرات میں

سے ایک صاحب دلشاد پور عیدگاہ میں عید کی نماز پڑھا کر ۵ شوال کی شام کو رحمٰن پور خانقاہ لطیفی سے قریب خان صاحبان کے یہاں آجاتے تھے یہ سلسلہ ۱۹۷۴ء تک قائم رہا۔ ۵ شوال سے خانقاہ میں۔ (۱) حضرت مخدوم بہاری کا عرس ہوتا تھا معمول یہ تھا کہ اس روز بعد نماز عشاء خانقاہ میں قوالی کی محفل جمتی تھی۔ لیکن پہلے فاتحہ ہوتا تھا۔ اس میں لکھنؤ والے شریک ہوتے تھے۔ خانصاحب کے یہاں سے خبر ملنے پر خانقاہ تشریف لاتے اور حضرت لطیفی کے ساتھ مسند پر بیٹھتے تھے اور فاتحہ میں شرکت کر کے واپس قیام گاہ چلے جاتے تو مولانا لطیفی بھی اپنا آدمی لالٹین لے کر ان کو پہنچانے کے لئے بھیجتے اور آدمی واپس آتا تو پوچھتے کہ پہنچ گئے؟ جواب ملتا ہاں تب قوالوں کو حکم ہوتا کہ اب شروع کرو جبکہ اور عرس جن میں لکھنؤ والے شریک نہیں ہوتے تو فاتحہ کے فوراً بعد قوال گانا بجانا شروع کر دیتے تھے یہ احتیاط صرف لکھنؤ والوں کے احترام میں کی جاتی تھی اس لئے کہ وہ حضرت باجہ کے ساتھ گانا سننے سے پرہیز کرتے تھے۔

(۲) دوسرا اہم واقعہ یہ کہ مولانا شاہ نجم الدینؒ اپنی لڑکی کی شادی اپنے بھتیجے مولوی جمال الدین (بن شاہ قمر الدینؒ) سے کرا رہے تھے اور دعوت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ کو دی گئی شادی کی ان تاریخوں میں حضرت کا پروگرام کلکتہ جانے کا تھا انہوں نے لکھا کہ میں ان تاریخوں میں کلکتہ میں رہوں گا اس لئے لکھنؤ جا کر شادی میں شرکت سے معذور ہوں۔

حضرت لطیفیؒ کے خط کے جواب میں مولانا نجم الدین صاحب نے لکھا کہ اس شادی میں آپ کی شرکت ہماری دلی خواہش ہے اس لئے ہم نے یہ تاریخ رد کر دی ہے اب آپ اپنی سہولت کے لحاظ سے خود تاریخ مقرر کر دیں جس میں آپ شریک ہوسکیں۔ اس کے بعد حضرت لطیفی کی مقرر کی ہوئی تاریخ میں شادی ہوئی اور حضرت لطیفی شریک ہوئے اور عقد انہوں نے پڑھایا۔

(۳) اب ایک اور واقعہ وہ یہ کہ میں اور مولانا حکیم حفیظ الدین ندوی (یہ مولانا نجم الدین کے صاحبزادہ تھے اور میرے بہت مخلص ہمدرد دوست تھے) دونوں ایک روز اعظم نگر

مولانا بدرالدین صاحب کے مکان پر پہنچے، دن جمعہ کا تھا اور اس وقت دن کے ۱۰ بجے تھے۔ یہاں مولانا بدرالدین صاحب کے صاحبزادے مولوی یحییٰ فاضل دیوبند ہمارے میزبان تھے۔ انہوں نے یہ سوال کیا کہ آج جمعہ کی نماز کون پڑھائے گا؟ حکیم صاحب نے جھٹ سے کہہ دیا کہ شاہ صاحب پڑھائیں گے (یعنی کہ راقم الحروف شاہ فیاض عالم) اس کے جواب میں میں نے کہا کہ امام وہاں تلاش کیا جاتا ہے جہاں امام مقرر موجود نہ ہو۔ مولوی یحییٰ کے دروازہ پر مسجد ہے اور وہ اس کے مقرر امام بھی ہیں ہم دونوں تو مسافر ہیں ٹک دم لینے کو ٹھہرے ہیں نماز مقرر امام ہی پڑھائیں گے۔ اس کے بعد مولوی یحییٰ ہنسے اور کہا کہ دونوں میں سے کسی کی بات نہیں رہے گی۔ ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ آخر کیا بات ہے کہ مولوی یحییٰ اس قدر یقین کے ساتھ یہ بات کہہ رہے ہیں۔ حکیم صاحب نے پوچھا کہ کیوں تب مولوی یحییٰ نے کہا کہ ایک وصیت ہے پوچھا گیا کہ کیا اور کس کی۔ تب انہوں نے بتایا کہ اس مسجد میں جمعہ قائم کرنے والے حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ تھے اور پہلی جمعہ کی نماز انہوں نے پڑھائی اور یہ اعلان کیا کہ اگر جمعہ کے روز لکھنؤ والوں کے اس خاندان کے لوگوں میں سے کوئی موجود ہوا تو جمعہ کی نماز وہی پڑھائیں گے۔ ظاہر ہے حکیم صاحب اسی خاندان کے فرد ہیں اور موجود ہیں۔ اس پر حکیم صاحب نے کہا کہ تب تو مجبوری ہے اس وصیت پر عمل کرنا پڑ گیا چنانچہ جمعہ کی نماز انہوں نے پڑھائی۔

ان واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان سے حضرت لطیفیؒ کے تعلقات کتنے پُرخلوص تھے۔

ایک واقعہ یہ کہ ایک دفعہ حضرت لطیفیؒ کے کسی مرید نے ان سے کہا کہ حضرت آپ لکھنؤ والوں سے اس قدر خلوص رکھتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں جبکہ سماع بالمزامیر (قوالی باجوں کے ساتھ) میں آپ سے وہ لوگ اختلاف رکھتے ہیں اس پر حضرت لطیفیؒ نے پوچھنے والے کو ڈانٹا کہ خبردار ایسا نہ کہو وہ لوگ نجیب الطرفین (نانیہال و دادیہال سے) سید ہیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے ہیں ان کے خلاف کچھ نہ کہو۔

واقعات اور بھی بے شمار ہوں گے لیکن یہ چند اہم واقعات اس بات کے لئے کافی ہیں کہ مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ کا رجحان اور طریقہ کیا تھا۔

مولانا محمد علی مونگیری: بہت بڑے عالم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بانی اور پیرو مرشد بھی تھے اور مونگیر خانقاہ رحمانی کے بھی بانی تھے۔ ان کا تعلق مولانا حفیظ الدینؒ سے معلوم نہیں لیکن ایک واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقفیت ضرور تھی وہ یہ کہ رحمٰن پور سے تقریباً ۴ میل پچھم اتر ایک گاؤں ماہی نگر کے ایک آدمی خانقاہ رحمانی مونگیر پہنچے اور مولانا محمد علیؒ سے بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے اس کا گھر پوچھا اس نے بتایا پھر پوچھا کہ رحمٰن پور کتنی دور پر ہے یہ گاؤں اس نے بتایا تو مولانا مونگیری نے فرمایا کہ تم سورج کو چھوڑ کر چراغ کے پاس آ گئے ہم تم کو مرید نہیں کریں گے لیکن اس نے بہت اصرار کیا اور وہیں رہ پڑا اور بار بار اصرار کیا اور یہ کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ سے مرید ہوا ہوں آخر انہوں نے اس کو مرید کر دیا اور کہا کہ تم غریب آدمی ہو تربیت و تعلیم کے لئے بار بار یہاں نہیں آسکو گے اس لئے گھر جا کر مولانا حفیظ الدین کو مرشد بناؤ چنانچہ وہ آیا اور مولانا حفیظ الدین کو مرشد بنایا یہ واقعہ مجھے حاجی عبدالغفور ماہی نگری نے بتایا کہ میں اس آدمی کو لے کر رحمٰن پور گیا اور اس نے مولانا لطیفیؒ کو مرشد بنایا اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا محمد علی مولانا حفیظ الدین کو اچھی طرح جانتے تھے اس واقعہ سے حضرت لطیفیؒ کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

واقعات اور بھی بہت سے ہوں گے لیکن یہ چند اہم واقعات اس کے لئے کافی ہیں کہ حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ کا رجحان اور طریقہ کیا تھا۔

اور پھر بیان اپنا: حضرت لطیفیؒ کی کتابوں سے کچھ بنیادی باتیں اور کچھ واقعات اور اہم لوگوں سے ان کے تعلقات پچھلے صفحات میں بیان کئے گئے۔ اب یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے کچھ حالات حضرت لطیفیؒ کے تعلق سے بیان کروں تا کہ حضرت لطیفیؒ کے متعلق میرا نقطۂ نظر معلوم ہو سکے اور یہ بھی پتہ چلے کہ میں یہ مضمون کیوں لکھ رہا ہوں۔